St. ATHANASIUS

ON THE INCARNATION

# کلام اللہ کے تجسم

کے بیان میں

# مقدس اتھنیسیس

کا رسالہ



مترجمہ پادری ایس۔ اے۔ سی۔ گھوش بی۔ اے

کرسچین نالج سوسائٹی

انارکلی لاہور

۱۹۰۸

بار اول جلد (۵۰۰) S. P. C. K. Lahore. قیمت ۴ر

مطبوعہ فیض بخش سٹیم پریس فیروزپور شہر

# فہرست مضامین

# اتھنیسیس کا احوال

اس رسالے کے مصنف یعنی مقدس اَتھَنیسیُس مسیحی کلیسیا کے سب سے عظیم القدر ارکانِ دین میں سے ہیں اور یہ خاصکر اس لئے مشہور ہیں کہ جو بدعت اَرِئیس کے نام سے مشہور ہے جس سے مسیح کی اُلوہیّت کا انکار متصور تھا اُس کا ردّ اُنھوں نے اپنی تصنیفات اور نیز اپنے انتظامی عملدرآمد دونوطرح سے کیا۔

یہ بزرگ عارف ۲۹۷ء میں شہر اسکندریہ میں پیدا ہوئے اور ۳۷۳ء میں وہیں انتقال کر گئے۔ اِن کے لڑکپن میں بڑا ظلم واقع ہؤا جو شہنشاہ روما مَکسِمنیُس دارا کی طرف سے ۳۰۳ء تا ۳۱۳ء میں ہوا اور اُسی ظلم میں پطرس اُسقفِ اسکندریہ ۳۱۱ء میں شہید ہوئے۔ ۳۱۸ء میں اَتھنسیس ڈیکن کے عہدے پر مامور ہوئے اور شہر اسکندریہ کے اُسقف اسکندریہ نے اُن کو بیٹے کے طور پر رکھا اور جلد آرچ ڈیکن کے منصب پر پہنچا دیا۔ اِس حیثیت سے اسقف کا خاص مددگار ہو کر اتھنسیس کو شہر نیکایا کے مجمع عام میں جانے کا اتفاق ہؤا اور وہاں اُنھوں نے آرائی بدعت کی تردید میں اِس قدر علم اور سنجیدگی اور حلیمی روحانی جوش کے ساتھ دکھائی کہ ہر دلعزیز ہو گئے اور ۳۲۶ء میں جب اسکندریہ کے صدر اسقف کا انتقال ہؤا تو صرف اُنتیس برس کی عمر میں اُس کی جگہ اُس بڑے شہر اور بڑے علاقے کے صدر اُسقف ہو گئے۔ تقریباً سات برس تک اُنھوں نے امن اور چین کی حالت میں اپنا کام انجام دیا مگر ۳۳۳ء سے لیکر ارائی بدعتیوں نے اُن کو تکلیف دینی شروع کی اور چونکہ اُن لوگوں کی قیصر کے حضور تک رسائی تھی اِس لئے بارہا اُن کو اسکندریہ سے نکلوا دیا۔ یہاں تک

# اتھنسیُس کا احوال

اس رسالے کے مصنّف یعنی مقدس اَتھَنَسِیُس مسیحی کلیسیا کے سب سے عظیم القدر ارکانِ دین میں سے ہیں اور یہ خاصکر اس لئے مشہور ہیں کہ جو بدعت اَرِیُس کے نام سے مشہور ہے جس سے مسیح کی اُلوہیّت کا انکار متصوّر تھا اُس کا ردّ اُنھوں نے اپنی تصنیفات اور نیز اپنے انتظامی عملدرآمد دونو طرح سے کیا۔

یہ بزرگ عارف سنہ ۲۹۷ع میں شہر اسکندریہ میں پیدا ہوے اور سنہ ۳۷۳ع میں وہیں انتقال کر گئے۔ اِن کے لڑکپن میں بڑا ظلم واقع ہؤا جو شہنشاہ روما مَکسِمنیُس دارا کی طرف سے سنہ ۳۰۳ع تا سنہ ۳۱۳ع میں ہوا اور اُسی ظلم میں پطرس اُسقُفِ اسکندریہ سنہ ۳۱۱ع میں شہید ہوئے۔ سنہ ۳۱۸ع میں اَتھنسیس ڈیکن کے عہدے پر مامور ہوئے اور شہر اسکندریہ کے اُسقف اسکندریہ نے اُن کو بیٹے کے طور پر رکھا اور جلد آرچ ڈیکن کے منصب پر پہنچا دیا۔ اِس حیثیت سے اسقف کا خاص مددگار ہو کر اتھنسیس کو شہر نیکایا کے مجمع عام میں جانے کا اِتفاق ہؤا اور وہاں اُنھوں نے آرائی بدعت کی تردید میں اِس قدر علم اور سنجیدگی اور حلیمی روحانی جوش کے ساتھ دکھائی کہ ہر دلعزیز ہو گئے اور سنہ ۳۲۶ع میں جب اسکندریہ کے صدر اسقف کا انتقال ہؤا تو صرف اُنتیس برس کی عمر میں اُس کی جگہ اُس بڑے شہر اور بڑے علاقے کے صدر اُسقُف ہو گئے۔ تقریباً سات برس تک اُنھوں نے امن اور چین کی حالت میں اپنا کام انجام دیا مگر سنہ ۳۳۳ع سے لیکر ارائی بدعتیوں نے اُن کو تکلیف دینی شروع کی اور چونکہ اُن لوگوں کی قیصر کے حضور تک رسائی تھی اِس لئے بارہا اُن کو اسکندریہ سے نکلوا دیا۔ یہاں تک

کہ ان کی عمر کے باقی چالیس برس کا نصف حصہ جلاوطنی ہی کی حالت میں گزرا اور پانچ دفعہ اُن کو نکلکر بھاگنا پڑا لیکن جب واپس آتے تھے تو اہل شہر اپنی طرف سے اُن کو بڑے شوق اور بڑی تعظیم وتوقیر سے لاتے تھے۔ آخر کار ۳۷۳ء میں ستتر برس کی عمر میں وفات پائی +

مقدس اتھنیسیس نے ارائی بدعتیوں کے خلاف بہت سی کتابیں اور رسالے تصنیف کئے مگر اِس بدعت کے نکلنے سے پہلے اُنھوں نے دو خاص رسالے تصنیف کئے۔ پہلا نام۔ **تردید غیر اقوام** دوسرا **کلام اللہ کے تجسم** کے نام سے۔ اور اِس دوسرے رسالے کا ترجمہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اِسکے چند ابواب چھوڑے گئے ہیں جو حال کی معلومات سے موافقت نہیں رکھتے +

فہرست مضامین کو دیکھکر اس رسالے کا سلسلہ دلائل معلوم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ دنیا کی پیدائش۔ آدمی کا گناہ۔ کلام اللہ کا تجسم۔ اور مسیح کی موت اور قیامت۔ یہ اس رسالے کے اوّل حصے (یعنی باب ۲ تا ۳۲) کے مضامین ہیں۔ اتھنیسیس پہلے اُن عقلی اور بدعتی خیالات کو رد کرتے ہیں۔ جو اُس زمانے میں دنیا کی پیدائش کے بارے میں تھے۔ اور دنیا کی پیدائش کا سچا مسئلہ قائم کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ خدا بذریعہ اپنے کلام کے دُنیا کو نیستی سے ہستی میں لایا۔ لیکن انسان کو اُس نے ہستی سے بڑھکر فضیلت بخشی۔ یعنے اُسے اپنی صورت پر پیدا کیا۔ پھر بہشت میں رکھکر اور شریعت دیکر اُس فضیلت کو اور بھی قوی کیا۔ اگر وہ شرع پر قائم رہتا تو اُسکی خوشحالی بھی قائم رہتی اور بغیر موت کے آخر کار آسمانی زندگی میں داخل ہو جاتا۔ لیکن برعکس اسکے اُسکی نافرمانی کا یہ نتیجہ ٹھیرا کہ اُس پر موت غالب آئیگی اور انتشار میں مبتلا رہیگا۔ اب انسان نے واقعی نافرمانی کی اور پہلے والدین یعنی

آدم و حوا میں شامل ہونے کے سبب سے کُل نسل گنہگار بنگئی۔ بنی آدم کا کلیتاً گنہگار ہونا دلالت کرتا ہے کہ اوّل ہی گناہ صادر ہوا۔ کیونکہ آدم اور حوّا کے اندر کل نوع بشری موجود تھے اور ان کی سرکشی کے باعث گنہگار بنے اس لئے ضرور ہے کہ موت کی سزا ملے ورنہ خدا کا قول باطل ہو جاتا۔ لیکن یہ کیا ہی بُرا ہوتا کہ مخلوق کا گناہ خدا کے مقصد کو توڑ دے۔ گناہ کبھی صرف ایک قرض نہ تھا جو خدا کی عزت کا حق تھا اور جو آدم کی توبہ پر معاف ہو سکتا۔ یا لائق کفّارے سے اگر اس کا ملنا ممکن ہوتا موقوف ہو جاتا وہ ایک ایسا مرض اور انتشار تھا جو آدمی کی عین سرشت میں داخل ہو گیا۔ موت آدمی کے خمیر میں مل گئی تھی اور ضرور ہوا کہ حیات کے تعلق سے دُور کیجاتی اس لئے خدا کا ازلی کلمہ جسنے شروع میں انسان کو خدا کی صورت پر خلق کیا تھا نیچے اُترا اور آدمی بنکر موت کے قانون کو پورا کر دیا مگر خدائی کی حیثیت میں اس نے انسانی سرشت کے اندر اُس انتشار کا علاج داخل کر دیا اور اپنی قیامت سے اَبدی زندگی کا وعدہ بخشا +

پس اس حصّے کی تمام دلائل کی بُنیاد اسپر ہے کہ کُل نوع بشر ایک شے ہے اور کلام اللہ کے تجسم کے سبب سے مسیح کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہے +

پس کفّارے کی بابت جو اس رسالے میں ذکر ہے اس کا مدار اسی پر ہے کہ مسیح اور اُسکے مومنوں میں ایسا توسل ہے کہ دونوں ایک ہی جسم سمجھے جاتے ہیں اور اس لئے جو کچھ مسیح نے کیا اور سہا اس کا فائدہ اور اثر سبھی کو پہنچتا ہے چنانچہ پولس رسول کی اصطلاح کے بموجب اتھنسیس بھی کہتے ہیں کہ مسیح کے ایماندار لوگ اُس میں ہیں۔ تجسم کی ضرورت کی بابت اتھنسیس کی یہ تعلیم ہے کہ خدا باپ اور کسی چیز کا مجبور نہیں سوا اپنی محبّت کے۔ اس سبب سے آدم زاد کی گری ہوئی حالت کو نہ دیکھ سکا بلکہ اس کے علاج کے لئے اپنے ازلی کلام میں مجسم ہوا اور

اس لئے کہ انسان خدا کی صورت پر اور اس کی رفاقت کی قابلیت کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔ اتھنسیس کہتے ہیں کہ کلام اللہ انسان بنا تاکہ ہم خدا بنیں یعنی خدا کی خوبیوں کا عکس ہم میں پورے طور سے چمکے ؛

دوسرا حصّہ اس رسالے کا وہ ہے جو یہودیوں اور غیر قوموں کی تردید میں لکھا گیا مگر یہودیوں کی تردید میں جو آٹھ باب ہیں وہ اس لئے چھوڑ دئے گئے کہ ایک تو اتھنسیس پُرانے عہدنامے کو صرف یونانی ترجمے کی شکل میں دیکھتے تھے اور اس کی چند ایسی تاویلیں کرتے تھے جو عبرانی متن کے صحیح معنے کے مطابق نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہودیوں سے ہمارا واسطہ اس ملک میں بہت کم پڑتا ہے باقی غیر قوموں کی تردید میں پندرہ باب ہیں اور اُن میں اَتھنسیُس پہلے فلسفیانہ دلیلوں سے اور بعد ازآں حال کے واقعات سے ثبوت دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ اَتھنسیُس افلاطونی فلسفہ کا مسئلہ مانتے تھے کہ مجموعہ مخلوقات ایک جسم ہے جسکی رُوح خود خدا ہے۔ اسی بنا پر یہ دلیل وہ پیش کرتے ہیں کہ جو شے کل موجودات میں موجود ہو کر سب کی زندگی اور ترتیب انتظام کا موجب ہے اس کا ایک انسانی جسم میں جو سب مخلوقات میں افضل و اعلےٰ چیز ہے ظاہر ہونا قیاس سے کچھ بعید نہیں۔ یہ کلام اللہ۔ یا ابن اللہ وہی ہے جو سب چیزوں کی ہستی اور زندگی کا سبب ہے۔ تاہم بذاتہ مخلوقات سے علیحدہ اور ممتاز اور صرف باپ کے ساتھ ایک ہے۔ اُس کی قدرت اور فوقیت اس سے ثابت ہے کہ اُس کی حضوری میں بدی کی ہر صورت کو شکست ہوتی ہے۔ اور اُس کا مذہب دنیا بھر میں پھیل رہا ہے۔ اور یہ فتح اس کی موت اور قیامت سے وقوع میں آئی +

آخری دو بابوں میں اَتھنسیُس مکاریُس نام مسیحی بھائی کو جس کے لئے اُنھوں

نے یہ رسالہ لکھا یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ان باتوں کی تحقیقات کے لئے سب سے ضروری یہ ہے کہ آدمی پاک نوشتوں میں ڈھونڈے اور مقدسوں کے چال چلن کی پیروی کرے ✤

مصنّف کی دلیلوں میں ایک دلیل ہے جو کسی قدر یونانی لفظ کی شکل پر مبنی ہے اس لئے اُس کا ترجمہ کرنا کسی قدر مشکل ہے یونانی میں لفظ لاگاس کلام کے بھی معنے رکھتا ہے اور عقل کے بھی۔ اب اتھنیسیس کی یہ رائے ہے کہ گناہ نے آدمی کے ذہن کو بھی بگاڑ دیا اور اُسے نامعقول یا الاگاس گویا غیر ناطق یا حیوان مطلق بنا دیا۔ اس قباحت کا علاج کلام کے تجسّم سے ہُوا جس سے انسان پھر لاگاس یعنی ناطق یا ذوی العقل بنگیا۔ اس صنعت لفظی کے ادا کرنے کے لئے ہم نے ناطق کا لفظ استعمال کیا جس سے کلام کرنے والا اور ذوی العقل دونوں مراد ہے ✤

یہ رسالہ فی زمانہ مسیحیوں اور غیر مسیحیوں دونوں کے لئے دلچسپی رکھتا ہے چنانچہ مسیحی اس سے معلوم کر سکتے ہیں کہ جس زمانے میں کلیسیا دنیوی حاکموں کے ظلم اور جھوٹے استادوں کی بدعت دونوں کی طرف سے جنگ و جدل میں مبتلا تھی اُس میں خدا نے کیسے کیسے بزرگوں کو اُٹھا کھڑا کیا جنھوں نے علم اور جان نثاری دونوں طرح سے دین کی حمایت کی۔ علاوہ اس کے مسیحیوں اور غیر مسیحیوں پر واضح ہوا ہے کہ جو بحث اب مسیحی دین اور دنیا کے دیگر مذاہب میں ہو رہی ہے اس کی اصلیت سولہ سو برس ہوئے وہی تھی مثلاً پیدائش دنیا کے جن مسائل کی تردید اتھنیسیس اس رسالے میں کرتے ہیں کہ دنیا یا تو خودبخود پیدا ہو گئی یا موجودہ مادّے سے بنائی گئی۔ یہ دونوں خیال ہنود کے شاستروں میں موجود ہیں۔ یا اہل اسلام کی طرف سے جو دعویٰ

ہے کہ گناہ کی معافی کے لئے اللہ تعالےٰ توبہ کو کافی دوا فی سمجھتا ہے اسی کا جواب اس کے ساتویں باب میں لکھا ہے ۔ پھر مرزا قادیانی صاحب جو کہتے ہیں کہ مسیح کا صلیب پر مرنا اور مردوں میں سے جی اُٹھنا ہمارے زمانے کی سب سے بھاری غلطی ہے یہی اعتراض تین سو برس بعد از مسیح کیا جاتا تھا اور اتھنیئس نے اس کی تردید کی اور یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہ رسالہ جس کا اثر اس زمانے میں بہت بڑا تھا انجیل لوقا اور رسولوں کے اعمال کی طرح پہلے پہل ایک خاص شخص کے لئے تصنیف ہوا +

اس کا ترجمہ پادری ایس اے سی گھوس بی اے ایس پی جی مشن دہلی نے کیا اور نظر ثانی پادری ایچ یو وایٹ بریٹ صاحب ڈی ڈی سی ایم ایس نے کی +

## (۱) دیباچہ

پہلے رسالہ میں ہم ذیل کے امور پر بحث کر چکے ہیں۔ غیر قوموں کا بُتوں کی پرستش کرنا ایک غلطی ہی۔ اُنہوں نے اپنے توہمات سے بُت پرستی ایجاد کر لی ہی۔ بنی آدم نے اپنی گنہ گاری کے سبب اپنے واسطے بُت ایجاد کئے اور اُن کو پوجنے لگے +

خدا کے فضل سے ہم اِس بات کا بیان بھی کر چکے ہیں کہ باپ کا کلام الوہیت کا درجہ رکھتا ہی۔ کہ وہ کل مخلوقات کا منتظم اور سب پر قادر ہی۔ کہ خدا باپ اُس کے وسیلہ سے کل اشیاء کو ترتیب بخشتا ہے کلمہ ہر شے کا متحرک اور کل حیات کا سرچشمہ ہی +

اب اے مکاریُس تو جو مسیح کا سچّا عاشق ہی ہم اپنے مذہب کی پہچان میں ترقی کریں۔ اور کلمہ کے تجسّم اور الٰہی ظہور کا بیان شروع کریں۔ یہودی تو اِس تجسّم اور ظہور کو بُرا کہتے ہیں اور یونانی اِس پر تمسخر کرتے ہیں۔ لیکن ہم اِسکی کمال تعظیم اور عزّت کرتے ہیں۔ اے مکاریُس جب تو کلمہ کے عجز و فروتنی کو دیکھے گا تو زیادہ سنجیدگی سے اُسکی پرستش کریگا +

کیونکہ جو لوگ اُس پر ایمان نہیں لائے وہ جس قدر اس کا تمسخر کرتے ہیں اُسی قدر وہ اپنی الوہیّت کی زیادہ مضبوط شہادت دیتا ہی۔ جن باتوں کو بنی آدم اپنی غلط فہمی سے ناممکن سمجھتے ہیں اُنکو وہ صریحًا ممکن کر دکھاتا ہی۔ جن باتوں پر بنی آدم نازیبا سمجھ کر ہنستے ہیں اُن کو وہ اپنی خوبی سے زیبائش بخشتا ہی۔ اور جن چیزوں پر بنی آدم کی عقل ٹھٹھا کرتی ہی یہہ سمجھ کر کہ وہ نابشری ہیں اُن کو وہ خاص اپنی قدرت سے سر بجا الٰہی ثابت کر دیتا ہی۔ اپنی صلیب سے اُس نے بتوں کے جھوٹے دعوے کو درہم برہم کر دیا اور ٹھٹھا کرنے والوں اور بے ایمانوں پر پوشیدہ اثر کر کے اپنی قوّت اور الوہیّت کا قائل کر دیا*

اس امر کے بیان کرنے میں ایک بات کا یاد رکھنا مناسب ہی۔ وہ یہہ ہی کہ باپ کا وہ عظیم الشّان اور بلند کلام مُجسّم ہونے پر مجبور تھا بلکہ اپنی ذات سے غیر متجسّد کلمۃ اللہ ہونیکے باوجود وہ اپنے باپ کی شفقت اور رحمت کے سبب سے ہماری نجات کے لئے وہ جسم میں ہم پر ظاہر ہوا*

پس اِس مضمون کے بیان کرنے میں مناسب ہی کہ ہم جہان کی پیدائش اور جہان کے صانع یعنے خُدا کے ذکر سے آغاز کریں۔ تاکہ ہمیں مناسب طور پر معلوم ہو جائے کہ جہان کی نئی پیدائش اسی کلمہ کے وسیلہ سے ہوئی جس نے ابتدا میں اِسے خلق کیا تھا کیونکہ یہہ بات قیاس سے بعید نہیں کہ جس کے وسیلہ سے باپ نے دُنیا کو خلق کیا تھا۔ اُسی کے وسیلہ سے وہ دُنیا کے چھٹکارے کا انتظام بھی کرے*

## (۲) دُنیا کی پیدائش کے غلط خیالات کی تردید

جہان کی خلقت اور کل اشیاء کی پیدائش کی نسبت مختلف لوگوں نے مختلف خیالات باندھے ہیں اور جیسا کسی نے چاہا ویسا اُس نے فیصلہ کیا*

بعض کہتے ہیں کہ کل اشیا اپنے آپ اتفاقیہ طور پر موجود ہو گئیں چنانچہ اپی کیورس فیلسوف ناحق کہتے ہیں کہ جہان پر کوئی منتظم نہیں ہے۔ اُن کا یہہ قول امور واقعی کے بالکل اور صریحاً خلاف ہے۔ دلیل اِس کی یہہ ہے کہ اگر سب اشیا اپنے آپ بغیر کسی منتظم کی قدرت کے موجود ہو جاتیں تو بیشک اُن کو وجود تو حاصل ہوتا لیکن وہ سب یکساں ہوتیں اور ایک شے دوسری سے کوئی فرق نہ رکھتی۔ کل جہان آفتاب یا مہتاب ہوتا۔ اِنسان کا جسم یا تو تمام ایک ہاتھ ہوتا یا آنکھ یا پیر۔ لیکن ہم یہہ معاملہ نہیں دیکھتے۔ بلکہ آفتاب و ماہتاب میں فرق ہے۔ زمین اِن دونوں سے فرق رکھتی ہے۔ اِنسانی جسم میں پاؤں علیحدہ ہے ہاتھ علیحدہ اور سر علیحدہ۔ ایسے صاف اور صریح انتظام سے ثابت ہوتا ہے کہ کل اشیا آپ سے آپ موجود نہیں ہو گئیں بلکہ اُن کا کوئی مسبّب تھا۔ اِس مرتّب دُنیا کو دیکھ کر ہم اُس خدا کو پہچانتے ہیں جو اُس کا خالق اور مرتّب ہے پھر اوروں نے جن میں افلاطون یونانیوں کا سب سے بڑا فیلسوف شامل ہے یوں کہا ہے کہ خدا نے دنیا کو خلق نہیں کیا۔ بلکہ قدیم اور غیر مخلوق مادّے میں سے ترتیب دیکر بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نیستی میں سے ہستی مستخرج نہیں ہو سکتی۔ اگر مادہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو خدا کس چیز میں سے دُنیا کو بناتا۔ اگر لکڑی موجود نہ ہو تو بڑھئی کچھ بنا نہیں سکتا۔

لیکن وہ نہیں جانتے کہ ایسا خیال باندھنے سے وہ کمزوری کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ مادہ کا جسے ہم دیکھتے ہیں خالق نہیں بلکہ پیشتر سے موجود مادّہ کا محتاج ہے تو ثابت ہوا کہ وہ کمزور ہے۔ اس میں قدرت نہیں کہ بغیر سامان کے کسی شے کو بنا سکے۔ بڑھئی جو بغیر لکڑی کے اپنا کام نہیں کر سکتا۔ صریحاً کمزور ہے۔ چنانچہ اِس خیال کے مطابق اگر مادّہ نہ ہوتا تو خدا کسی شے کو نہ بنا سکتا۔ پس ہم اُسے خالق اور صانع کیونکر کہیں جبکہ وہ مادہ کا گویا قرضدار ہے۔ اگر یہی حالت ہے تو خدا پیدا کرنیوالا

خالق نہیں بلکہ صرف ایک کاریگر ہی۔کیونکہ وہ مادہ کا خالق نہیں بلکہ صرف مادّہ کو لیکر اُس میں سے مختلف اشیاء بنا سکتا ہی۔ اس حالت میں اُسے خالق کہنا ناجائز ہی۔ کیونکہ اُس نے وہ مادّہ خلق نہیں کیا جس میں سے ساری چیزیں بنیں +

پھر بعض بدعتی یعنی گنوسٹک فرقے والے کہتے ہیں کہ دُنیا کا صانع ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کا باپ نہیں۔ بلکہ کوئی اور خُدا ہی۔ اِن الفاظ کے استعمال سے یہہ لوگ اپنی جہالت ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ خُداوند یہودیوں سے فرماتا ہی "کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جس نے اُنہیں بنایا اُس نے ابتدا ہی سے اُنہیں مرد و عورت بنا کر کہا کہ اِس سبب سے مرد باپ سے اور ماں سے جُدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہیگا اور وہ دونوں ایک جسم ہونگے" + پھر وہ خالق کی طرف اشارہ کرکے فرماتا ہی "پس جسے خُدا نے جوڑا ہی اُسے اِنسان جُدا نہ کرے"۔ (متی ۱۹-۴) +

اِن الفاظ کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہی کہ دُنیا کا خالق باپ سے علیحدہ کوئی اور خُدا ہی اور جس حال میں کہ یوحنّا تمام اشیاء کو شامل کرکے کہتا ہی کہ "ساری چیزیں اُس کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہی اُس میں کوئی چیز بھی اُسکے بغیر پیدا نہیں ہوئی"۔ (یوحنّا ۱-۳) تو کیونکر ممکن ہی کہ دُنیا کا صانع مسیح کے باپ کے سوا اور کوئی ہو +

## (۳) دُنیا کی پیدائش کی سچّی تعلیم

اُن لوگوں کی جو بطلان کی پیروی کرتے ہیں ایسی بکواس ہی۔ لیکن دینداری کی تعلیم اور سچی ایمان ایسے بیہودہ خیالات کو بے دینی بتاتا ہی۔ کیونکہ دُنیا اتفاقیہ طور پر موجود نہیں ہوگئی۔ یہہ اِس انتظام سے ثابت ہوتا ہی جس کو ہم بکثرت اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ دُنیا پہلے سے موجود مادّہ میں سے نہیں بنائی گئی۔ کیونکہ خدا کمزور

نہیں ہے بلکہ محض نیستی سے خدا نے اپنے کلام کے وسیلہ سے دنیا کو ہست کیا ہے۔ اِس کی اُس نے خود موسیٰ کی معرفت خبر دی ہے۔ "ابتدا میں خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا" (پیدائش ۱-۱)۔

یہی خبر اُس نے "پاسبان" کی نہایت مفید کتاب میں بھی دی ہے۔ "سب سے اوّل ایمان لا کہ خدا ایک ہی ہے جس نے تمام اشیاء کو خلق اور مرتب کیا۔ اور نیستی سے نکالا۔" مقدس پولوس بھی یہی کہتا ہے "ایمان ہی کے سبب سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ عالم خدا کے کہنے سے بنے ہیں۔ یہ نہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے ظاہری چیزوں سے بنا ہو" (عبرانیوں ۱۱-۳) کیونکہ خدا نیک ہے بلکہ نیکی کا سرچشمہ۔ ممکن نہیں کہ جو نیک ہے وہ کسی کے ساتھ بخیلانہ برتاؤ کرے۔ پس اُس نے اپنی سخاوت سے ہر شے کو ہستی کی بخشش عنایت کی ہے۔ اور یوں سب اشیاء کو بوسیلہ اپنے کلمہ یعنی ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نیستی سے نکالا ہے۔ اور مخلوقات میں سے بنی آدم پر زیادہ رحم کیا ہے۔ کیونکہ جب اُس نے دیکھا کہ بنی آدم اپنی قوت سے ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتے تو اُن کو ایک ایسا فضل بھی بخشا جو اور اشیاء کو نہ بخشا تھا۔ اُس نے اِنسان کو اور غیر ذی عقل مخلوقات کی مانند محض پیدا ہی نہ کیا بلکہ اُسکو خاص اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی اُس کو اپنے کلمہ کی قدرت کا ایک حصہ بخشا۔ تاکہ اُس میں کلمۃ اللہ یا عقل الٰہی کا عکس پایا جائے۔ پس اِنسان معقول بنایا گیا ہے۔ اِسوجہ سے وہ خوشی کی حالت میں قائم رہ سکتا ہے۔ اُسمیں قابلیت ہے کہ حقیقی اور سچی زندگی بسر کرے۔ ایسی زندگی جیسی کہ مقدسین جنت میں بسر کرتے ہیں۔

علاوہ اِس کے خدا کو معلوم تھا کہ مشیت بشری دو راستوں پر چل سکتی ہے خواہ نیکی کی پیروی کرے خواہ بدی کا راستہ پکڑے۔ پس اُس نے اپنی الٰہی پیش بینی سے اِس فضل کو جو اِنسان کو بخشا گیا تھا مضبوط کیا۔ یعنی بنی آدم کے لئے ایک قانون اور ایک محل مقرر کیا۔ اُس نے اُن کو جنت میں جگہ دی اور اُن کو ایک قانون کے تحت میں رکھا تاکہ اگر اِس فضل کو جو اُن کو دیا گیا تھا تھامے رہیں اور نیکی کی حالت کو ہاتھ سے نہ جانے

دیں تو جنت میں انکو ایسی زندگی نصیب ہو جس میں رنج والم - درد اور تفکرات کا داغ نہ ہو۔
اور ساتھ ہی اُس کے یہہ وعدہ بھی بخشتا کہ تم کو آسمان میں جگہ ملیگی جہاں موت اور
انتشار تم پر غلبہ نہ پاوینگے لیکن اُن کو ایک ڈر بھی دکھایا۔ اور کہا کہ اگر تم بغاوت کر کے
راہِ راست سے انحراف کروگے اور نیکی کو چھوڑ کر بد ہو جاؤگے تو یاد رکھو کہ موت کا انتشار
تم پر غالب آویگا۔ کیونکہ موت تو تمہاری فطرت کا حصہ ہے۔ تم جنت میں رہ نہ سکوگے بلکہ
اس سے باہر کر دئے جاؤگے۔ اور جب اس دارِ غیر فانی سے باہر ہو گئے تو موت اور انتشار
کے پنجے میں پھنسے رہوگے +

خدا کی کتاب اِسی بات کی خبر دیتی ہے۔ خدا خود فرماتا ہے کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل
کھایا کر۔ لیکن نیک وبد کی پہچان کے درخت سے نہ کھانا۔ کیونکہ جس دِن تو اس سے کھائیگا
تو ضرور مریگا (پیدائش ۲۔ ۱۶ و ۱۷) +

# (۴) اِنسان کا گناہ میں مُبتلا ہونا

مضمون تو ہمارا یہہ تھا کہ کلمتہ اللہ کے تجسّم کا بیان کریں لیکن بیان ہم نے یہہ کیا
کہ بنی آدم کا آغاز کس طور پر ہوا۔ تم تعجب کرتے ہوگے کہ ان دو مضامین میں تعلق کیا ہے۔
فی الحقیقت یہہ مضامین آپس میں ایک بڑا نزدیکی رشتہ رکھتے ہیں۔ جب نجات دہندہ کے
ظہور کا ذکر کیا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ نوع انسانی کے آغاز کی طرف بھی توجہ کی جائے ۔ کیونکہ
ہماری حالت کو دیکھ کر وہ نیچے اُترا۔ ہمارے گناہ نے کلمتہ اللہ کی محبّت کو کھینچا ایسا کہ
وہ ہمارے پاس چلا آیا اور خداوند بنی آدم کے درمیان ظاہر ہوا +

ہمارے باعث سے وہ مجسّم ہوا ہماری نجات کے لئے اُس نے ایسی محبّت دکھائی
کہ اِس دُنیا میں آکر پیدا ہوا اور ایک جسم بشری میں نمودار ہوا۔ خدا نے اِنسان کو پیدا کیا
اور چاہا کہ وہ غیر فانی رہے لیکن اِنسان نے خُدا کا دھیان اور تصوّر بالکل اپنے

دل سے بھلا دیا اور اُس کا مطلق خیال نہ رکھا بلکہ اپنے واسطے بدی کی صورت پیدا کر کے (جس کا بیان پہلے رسالہ میں ہو چکا ہی) موت کی اُس سزا میں گرفتار ہوا جس کا ڈر خالق نے اُسے پہلے ہی سے دکھلا دیا تھا۔ بعد ازاں اُسکی بُری حالت ہوئی۔ جیسا وہ بنایا گیا تھا ویسا نہ رہا۔ اپنی حکمت اور بندش کے پھندے میں پھنس کر وہ بالکل بگڑ گیا اور موت نے اُن پر بادشاہی کی۔ (رومیوں ۱-۲۱ اور ۲۲+ ۵-۱۴ تا ۲۱)

حکم کے عدول نے انسان کے رُخ کو اُس کی اصلی اور ابتدائی فطرت کی طرف راجع کیا۔ خالق نے اُس کو نیستی سے ہست کیا تھا۔ لیکن گناہ کا یہہ نتیجہ ہوا کہ اُس نے پھر نیستی کا رستہ لیا۔ کلمۃ اللہ اپنی محبّت اور رحمت سے ان کو عدم سے وجود میں لایا تھا۔ لیکن اُنہوں نے خدا کی پہچان کو ترک کر دیا اور عدم کی طرف راجع ہوئے۔ (کیونکہ گناہ اور عدم برابر ہیں اور نیکی اور وجود برابر) اُنکے گناہ کا یہی ضروری نتیجہ تھا کہ وہ معدوم کر دئے جاویں۔ اُس خدا نے جو ہستی کا سرچشمہ ہی اُن کو وجود بخشا تھا۔ پس اُنکے گناہ کے سبب اُنکو یہہ سزا دیگئی کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہستی سے محروم۔ عدم کے قبضہ میں رہیں۔ یعنی یہہ کہ ہلاک ہو کر ہمیشہ موت اور بگاڑ کے تحت میں رہیں +

کیونکہ آدمی اپنی فطرت سے فانی ہی کیونکہ وہ نیستی سے ہست ہوا ہی لیکن چونکہ وہ خدا الحی القیّوم کے ساتھ مشابہ کیا گیا ہی۔ اِس لئے اُس کے لئے ممکن ہی کہ اِس ہلاکت کے قبضہ سے بچا رہے جو کہ فطرت سے اُس کا حصّہ ہی۔ بشرطیکہ اپنے خالق کی ذات کو بالاستقلال اپنے تصوّر میں رکھے۔ چنانچہ کتاب حکمت کہتی ہی کہ اُس کے قوانین کو محفوظ رکھنا بقا کو قائم کرتا ہی"۔ (حکمت ۶-۱۸) +

پس فنا سے چھوٹ کر وہ خدا کی طرح بن جاتا۔ خدا کی کتاب بھی کسی جگہ یہی کہتی ہی "میں نے تو کہا کہ تم الٰہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو۔ پر تم بشر کی طرح مر گے اور شاہزادوں میں سے ایک کی مانند گر جاؤ گے۔ (زبور ۸۲-۶) +

# (۵) گناہ میں پڑنے کے بعد انسان کی بری حالت

خدا نے ہم کو عدم کی حالت سے نکال کر فقط وجود ہی نہیں بخشا۔ بلکہ اپنے کلمہ کے فضل کی وساطت سے ہم کو ایسی حیات بھی بخشی ہے جو حیات الٰہی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ لیکن بنی آدم جب اشیاء غیر فانی کو چھوڑ بیٹھے۔ اور شیطان کو اپنا مشیر بنا کر اُن چیزوں کی طرف راجع ہوئے جو فانی ہیں۔ اُس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ وہ خود اپنی ہلاکت کے باعث بنے۔ پہلے ہی وہ اپنی فطرت سے فانی تھے۔ لیکن کلمۃ اللہ کی روحانی شراکت نے اُن کو اِس لایق کر دیا تھا کہ اگر عصمت کو تھامے رہیں تو اپنی فطرت کے نتائج سے بھی بچے رہیں +

کیونکہ جب تک کلمۃ اللہ انسانوں کے ساتھہ تھا تو وہ ہلاکت جو اُنکی اپنی فطرت کا جزو تھی اُن کے نزدیک نہ آسکتی تھی۔ کتاب حکمت یوں کہتی ہے۔ "خدا نے انسان کو بقا کے لئے خلق کیا۔ اُس نے اُسے اپنی بقا کا نمونہ بنایا لیکن شیطان کے حسد کے باعث موت دنیا میں داخل ہوئی" (حکمت ۲-۲۳ و ۲۴) پس جب ایسا ہوا تو بنی آدم مرنے لگے۔ ابتری نے ان میں زور پکڑ کر کل نسل پر جتنا چاہیے تھا اس سے زیادہ غلبہ کیا۔ جب اُنہوں نے حکم کو عدول کیا تو جو دھمکی خالق نے اُن کو دی تھی اُس کا جاری ہونا لازم آیا۔ گویا اِس دھمکی کے باعث موت اُن پر زبردست ہو گئی +

پھر آدمی نے فقط ایک یا تھوڑا گناہ نہیں کیا بلکہ اُس نے تمام احاطوں اور شرائط کو توڑ دیا۔ اور رفتہ رفتہ ایسا بگڑ گیا کہ اُس کی خطا کی کچھہ حد نہ رہی۔ اوّل تو اُنہوں نے شرارت کو ایجاد ہی کیا پھر موت اور بگاڑ کو اپنے اوپر غالب کر لیا لیکن بعد میں بے دینی اور بے شرعی کی طرف ایسے رجوع ہوئے کہ پھر انہیں کسی گناہ سے پرہیز نہ رہا۔ وہ ہر روز اپنے لئے نئے نئے گناہ ایجاد کرنے لگے اور گناہ کی

حرص اُن میں ایسی بڑھی کہ کسی طرح اُنکی تسلّی نہ ہوتی تھی۔ ہر جگہ زنا اور چوری کا چرچہ پھیلا۔ اور کل زمین قتل اور رہزنی سے بھر گئی ظلم اور بگاڑ نے ایسا زور پکڑا کہ شرع اور قانون کا ذکر بھی اُڑ گیا۔ تنہائی اور مجلسوں میں گناہ ہی گناہ ہونے لگا۔ شہر پر شہر نے چڑھائی کی۔ قوم کے خلاف قوم اُٹھی۔ اور کل زمین سازشوں اور لڑائیوں سے درہم برہم ہوگئی۔ کوئی اپنے گناہ پر قناعت نہ کرتا تھا۔ بلکہ ہر شخص کی کوشش تھی کہ اپنے ہمسایہ پر بے شرعی میں سبقت لیجائے ✦

اِس سے بڑھ کر ایسے گناہ جو خلاف وضع فطری تھے اُن میں پائے جاتے تھے جیسا کہ مسیح کا شہید رسول کہتا ہے "یہاں تک کہ اُن کی عورتوں نے اپنے طبعی کام کو خلاف طبع کام سے بدل ڈالا۔ اِسی طرح مرد بھی عورتوں سے طبعی کام چھوڑ کر آپس کی شہوت سے مست ہوگئے۔ یعنی مردوں نے مردوں کے ساتھ روسیاہی کے کام کر کے اپنے آپ میں اپنی گمراہی کے لائق بدلہ پایا" (رومیوں ۱-۲۶-۲۷) ✦

## (۶) اِنسان کے گرنے کے علاج کی ضرورت

پس انہی وجوہات کے باعث موت روز بروز بنی آدم پر زیادہ مسلط ہوتی جاتی تھی۔ بگاڑ ان کا دامنگیر تھا بنسل اِنسانی تباہ ہو رہی تھی۔ اِنسان جو کلمتہ اللہ یا عقل الٰہی سے معقول تھا اور خدا کی صورت پر بنایا گیا تھا معدوم ہوتا جاتا تھا۔ خدا کا کیا ہوا کام ضایع ہو رہا تھا۔ کیونکہ جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ اِنسانیت کا یہہ قانون ہوگیا کہ موت اس پر غالب آوے کیونکہ انسان کی خطا کے باعث خدا نے یہہ قانون ٹھہرایا تھا اور جو کچھ زمین پر ہو رہا تھا وہ فی الحقیقت مکروہ اور نامناسب تھا۔ (گلتیوں ۳-۱۹) ✦

کیا ممکن تھا کہ خدا کا قول جھوٹا ہو جائے۔ اُس نے فرما دیا تھا کہ اگر انسان گناہ کریگا تو مریگا۔ اور اب جو گناہ کر چکا تو کیا زندہ رہ سکتا تھا؟ اگر ایسا ہوتا تو خالق کا

قول باطل ثابت ہوتا +

علاوہ بریں یہہ بھی نامناسب تھا کہ وہ مخلوق جو ناطق یعنی نطق اللہ یا کلمۃ اللہ کے متعلق بنائے گئے تھے ہلاک ہو یا پیچھے کو ایسے پلٹے کہ بگاڑ کے باعث معدوم ہی ہو جاوے یہہ امر خدا کی نیکی سے بعید تھا کہ اُس کی مخلوق بالکل برباد ہو جاوے اور شیطان کا فریب ایسا غالب ہو کہ خدا کی کاریگری کو خراب کر دے۔

پھر بھی یہہ عین نامناسب تھا کہ خدا کی کاریگری یعنی انسان اپنی غفلت یا شیاطین کے فریب سے معدوم ہو جائے۔

پس چونکہ ذی عقل مخلوق برباد ہو رہی تھی اور انسان جیسی عالیشان صنعت ہلاک ہو رہی تھی۔ ایسی حالت میں خدا جو نیک ہو کیا کرتا۔ کیا وہ اِس امر کی اجازت دیتا کہ فنا اُن پر غالب رہے۔ اور موت اپنا قبضہ اُن پر قائم رکھے؟ اگر خدا کی طرف سے اِس اجازت کا ملنا ممکن سمجھا جائے۔ تو یہہ سوال لازم آئیگا کہ شروع میں اُس نے انکو خلق ہی کس لئے کیا تھا۔ یعنی ان کو نہ بنانا اِس سے بہتر تھا کہ بعد بنانے کے اُن کا خالق اُن سے غافل ہو جائے اور اُن کو مرنے دے +

غفلت سے کمزوری ثابت ہوتی ہے۔ خدا نیک ہے اور اپنی مخلوق کی طرف سے غافل نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ غافل ہو جاوے تو وہ کمزور ثابت ہوگا۔ بنی آدم کے نہ پیدا کرنے میں کسی کمزوری کا اظہار نہ پایا جاتا۔ لیکن پیدا کر کے اپنی مخلوق کو موت کے حوالہ کر دینا صریحاً نامناسب تھا +

پس ناممکن تھا کہ فنا انسان کو اپنے تحت میں رکھے۔ اگر خدا اُس کو ایسی حالت میں چھوڑ دیتا تو یہہ اُس کی خدائی نیکی کے عین خلاف ہوتا +

# (۷) فقط گناہ سے توبہ کرنا اِنسان کی بُری حالت کا کافی علاج نہ تھا

لیکن ساتھ ہی اِس کے یہہ بھی ضرور تھا کہ خُدا اپنے قانون کو پورا کرے اُس کی خصلت سچی ہے۔ اور مناسب تھا کہ موت کی سزا جس کی دھمکی اِنسان کو دکھلائی گئی تھی پوری کی جاوے۔ کیونکہ اِنسان نے جب گناہ کیا تو کیا ممکن تھا کہ خُدا گناہ کو سرسری طور سے معاف کر کے ہمارے فایدہ اور سلامتی کی خاطر اپنے تئیں جھوٹا بنائے +

پس اِس حالت میں خالق کیا کر سکتا تھا۔ کیا وہ اِنسان سے کہتا کہ اپنے گناہ سے توبہ کر۔ بعض کا خیال ہے کہ خالق کو یہی کرنا چاہیئے تھا۔ تاکہ جس طرح بنی آدم گناہ کے باعث فنا کے تحت میں آ گئے تھے اسی طرح توبہ کے وسیلے سے دوبارہ بقا کی طرف راجع ہو جاتے +

لیکن توبہ سے اِنسان کا گناہ معاف نہ ہو سکتا تھا۔ خدا تو کہہ چکا تھا کہ اگر تو گناہ کریگا تو مر جائیگا۔ اِنسان کی توبہ کی خاطر خالق اس کو رہا نہ کر سکتا تھا۔ باوجود توبہ کے اِنسان موت کا مطیع رہتا۔ توبہ کا تو فقط یہہ نتیجہ ہے کہ وہ اِنسان کو زیادہ گناہ کرنے سے روک دیتی ہے۔ توبہ میں یہہ قدرت نہیں کہ اِنسان کو کسی ایسے قانون کے تحت سے نکالے جو اُس کی فطرت کا حِصّہ ہے +

علاوہ بریں یاد رکھنا چاہیئے کہ اِنسان نے صرف ایک خطا نہ کی تھی۔ بلکہ خطا سے بڑھ کر گناہ کیا تھا جس کے باعث بگاڑ اور ہلاکت میں پڑ گیا تھا۔ خطا کے نتائج سے توبہ کر کے رہا ہو جانا ممکن ہے۔ لیکن گناہ کے نتیجہ سے جو ہلاکت ہے توبہ کسی کو رہا نہیں کر

سکتی۔ جب گناہ چل پڑا تو بنی آدم اِس ہلاکت کے دام میں پھنسے جو اُن کی فطرت میں تھی۔ پس وہ فضل اُن سے چھین لیا گیا جو خدا کی صورت میں مخلوق ہونے کے باعث اُن کو دیا گیا تھا +

پس بنی آدم کس طرح پر اِس ابتدائی فضل کو دوبارہ حاصل کرتے۔ کون سا زور اُن کو اُن کی بُری راہ سے واپس لا سکتا تھا۔ جواب یہہ ہے کہ یہہ قدرت فقط کلمۃ اللہ میں تھی جس نے ابتدا میں ہر شے کو عدم میں سے نکال کر وجود بخشا تھا +

اِس میں قدرت تھی کہ فانی کو بقا بخشے۔ اسی میں قدرت تھی کہ اپنے باپ کی سچائی کو قائم و ثابت کر دکھلاوے۔ کیونکہ وہ باپ کا کلام اور ہر شے سے افضل ہے۔ وہی قادر تھا کہ ہر شے کو دوبارہ از سر نو خلق کرے۔ وہی اِس لائق تھا کہ سب کے واسطے دُکھ سہے اور سب کی طرف سے باپ کے پاس سفیر ہو کر جاوے +

## (۸) کلمۃ اللہ کا تجسم

اسی مقصد سے کلمۃ اللہ جو اپنی ذات سے غیر متجسد اور غیر فانی غیر مادی تھا ہمارے علاقے میں آیا۔ لیکن یہہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارے درمیان ظاہر ہونے سے پہلے وہ ہم سے دور تھا۔ مخلوقات کا کوئی حصہ ایسا نہیں جو اُس کی حضوری سے خالی ہے۔ وہ ہر جگہ اور ہر شے میں حاضر ہے اور باوجود اِس کے بھی اپنے باپ کے ساتھ ہے۔ لیکن وہ مہر و محبت اور فروتنی کے باعث اپنے آپ کو ہم پر ظاہر کرنے کے لئے ہمارے پاس آیا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ ذی عقل نوع انسان ہلاک ہو رہی ہے۔ اور موت سب پر تسلط کر کے اُن کو فنا کر رہی ہے۔ اُس نے دیکھا کہ خدا کی دھمکی اِس فنا کے فتوے پر گویا مہر کر رہی ہے اور نیز یہہ کہ خدا کا قانون باطل نہیں ہو سکتا۔ اس نے دیکھا کہ بنی آدم کا جو حال ہوا وہ بالکل نامناسب اور قابلِ شرم تھا یعنی جن چیزوں کا

وہ صانع ہر وہی معدوم ہو رہی ہیں۔ اُس نے دیکھا کہ بنی آدم گناہ میں بہت ہی ترقی کر گئے اور اُنہوں نے اپنی شرارت کو اِس قدر بڑھایا کہ خود اُس میں غرق ہوئے جاتے ہیں۔ پھر اُس نے دیکھا کہ سب موت کے پنجے میں گرفتار ہیں۔ تب اُس نے ہماری جنس پر رحم کیا اور ہماری کمزوری پر ترس کھایا۔ اُس نے ہم کو ہلاک ہوتے دیکھنا گوارا نہ کیا۔ اس کو اس کی تاب نہ ہوئی کہ ہم کو ہلاک ہوتے دیکھے۔ بس ہم کو جو اُس کے مخلوق اور اُس کے باپ کی صنعت تھے خرابی سے بچانے کے لئے مجسّم ہوا بلکہ عین بنی آدم کا سا جسم اختیار کیا +

اُس نے یہہ پسند نہ کیا کہ صرف جسم اختیار کرے یا صرف دُنیا میں ظاہر ہو کیونکہ یہہ اُس کی قدرت میں تھا کہ بغیر مجسّم ہوئے اپنے تئیں ظاہر کرے۔ یا کسی اور بہتر اور افضل طریقے سے اپنا ربّانی جلوہ دکھاوے۔ لیکن اس نے ہمارا جسم لیا اور اِس جسم کو اختیار کرنے کا وسیلہ اُس نے ایک بےداغ اور بےعیب کنواری عورت کو بنایا۔ جو مرد سے واقف نہ تھی اُس کا جسم پاک اور مردوں کی صحبت سے مُبرّا تھا۔ کلمۃ اللہ گو خود قدرت والا اور عالم کا صانع تھا تاہم اُس نے اس کنواری کے رحم کو اپنا مسکن بنایا اور پھر اُس میں داخل ہو کر رہا اور اپنے آپ کو ظاہر کرتا رہا +

کل بنی آدم کے اجسام فانی ہیں۔ پس ہمارے اجسام جیسے ایک جسم کو اُس نے اختیار کیا۔ اور سب کے بدلے اُس کو موت کے حوالے کر کے باپ کے حضور قربان کر دیا۔ یہہ اُس نے اپنی محبّت اور مہربانی کے باعث کیا۔ تاکہ سب اِس میں موت کا مزہ چکھیں اور اِس طرح بنی آدم کے فانی ہونے کا قانون موقوف ہو جائے۔ (چونکہ اِس قانون کا زور خداوند کے جسم پر پورا ہوا اور اُسے اُس کے ہمجنسوں کے خلاف کچھ طاقت نہ رہی) وہ بنی آدم جو فنا کی طرف دوڑے جاتے تھے بقا کی طرف واپس پھیری گئی۔ اُس کے جسم کی شراکت کے باعث وہ جو مر چکے تھے زندہ کئے گئے۔ قیامت کے فضل

نے اُن کو دوبارہ حیات عنایت کی۔ وہ موت سے یوں بچے جیسے بھوسی جلنے سے بچے

## (۹) کلمتہ اللہ کے تجسّم نے ہم کو موت سے خلاصی بخشی ہی

کلمتہ اللہ کو معلوم تھا کہ بنی آدم کو فنا سے بچانے کا فقط ایک ہی وسیلہ ہی۔ یعنی موت۔ لیکن چونکہ کلمتہ اللہ غیر فانی تھا اور باپ کا بیٹا تھا۔ اِس لئے اس کے واسطے مرنا ناممکن تھا۔ پس اُس نے ایک فانی جسم اختیار کیا چونکہ یہہ جسم کلمتہ اللہ کا مسکن تھا۔ اس کی صحبت نے اس پر دو اثر کئے۔ اوّل وہ جسم اِس قابل ہوا کہ سب کے عوض میں مرے۔ دویم بوجہ کلام کی سکونت کے باوجود مرنے کے وہ انتشار اور سڑنے سے محفوظ رہا۔ اور اُس کی قیامت کے فضل سے آیندہ کو کل اِنسانی اجسام آخر کار فنا کے قبضے سے چھوٹ جائیں۔ اِس جسم کو جسے اُس نے اختیار کیا تھا مطلق بے داغ موت کے آگے قربان کر کے اور اُس طرح ایک مساوی شئے (یعنی اپنا جسم پاک جو اکیلا مجموعی تمام اِنسانوں کے اجسام کی ہم قدر تھا) دیکر اپنے سب ہمجنسوں کے سر سے موت کی بلا کو ٹال دیا +

کلمتہ اللہ نے اپنے مسکن اور جسم کو سب کی حیات کی خاطر قربان کر دیا۔ وہ اپنی ذات میں سب سے برتر و بالا تھا اور اُس کی موت سے وہ تمام نتائج برآمد ہوئے جن کی توقع ہو سکتی تھی۔ خدا کا غیر فانی کلمہ اِنسانی فطرت کو اختیار کرنے کے سبب سے نوع اِنسانی میں مِل گیا۔ اس کی صحبت نے کل بنی آدم کو قیامت کا وعدہ عطا کر کے بقا سے ملبّس کیا۔ کلمتہ اللہ اُس کے جسم میں ساکن ہونیکے باعث کل نوعِ اِنسانی میں ساکن ہوا پس موت کا انتشار ان کے اجسام پر کچھ زور نہیں رکھتا +

اگر کوئی بڑا بادشاہ کسی شہر میں داخل ہو کر اس کے کسی مکان میں رہائش اختیار کرے تو وہ شہر بڑی عزت کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ اور کوئی دشمن یا غارت گر اُس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ بلکہ اِس خیال سے کہ بادشاہ اُس کے ایک مکان میں رہتا ہے سب اس شہر کو ممتاز سمجھتے ہیں۔ پس چونکہ کل عالم کا سلطان دُنیا میں آیا اور ہمارا ہمجنس ہو کر ایک جسم میں رہا۔ دشمن کے وہ تمام ارادے جو وہ ہمارے خلاف رکھتا تھا ٹوٹ گئے۔ اور موت جو سب پر غالب آتی تھی معدوم ہو گئی۔ اگر خدا کا بیٹا جو سب کا مالک اور منجّی ہے نہ آتا اور یوں موت کا خاتمہ نہ کر دیتا تو نسلِ انسانی بالضرور تباہ ہو جاتی +

## (۱۰) تجسّم کی مناسبت

درحقیقت یہ عظیم کام خدا کی نیکی کے ساتھ ایک خاص رشتہ اور مناسبت رکھتا تھا۔ فرض کرو کہ کسی بادشاہ نے کوئی شہر یا مکان بنایا ہو اور اس میں رہنے والے لوگ اُس کی حفاظت میں ایسے غافل ہو جاویں کہ غارت گر اُس کا محاصرہ کریں۔ تو کیا وہ بادشاہ اس شہر کی طرف سے بے پرواہ رہیگا۔ نہیں بلکہ فوراً اُسے اپنا کام سمجھ کر دشمنوں سے انتقام لیگا اور اپنے بنائے ہوئے شہر کی حفاظت کریگا۔ اُس کو اِس بات کا خیال کم ہوگا کہ جن لوگوں کو مَیں نے اپنے شہر میں بسایا ہے کیسے بے پرواہ ہیں لیکن اپنی شان کا خیال رکھیگا۔ پس کلمتہ اللہ نے بھی نوعِ انسانی کی طرف سے جسے اُس نے پیدا کیا تھا اور جو بالکل بگڑتی جاتی تھی بے پرواہی نہیں کی۔ اُس نے اپنے جسم کی قربانی سے اِس موت کو موقوف کیا جس کے وہ سزاوار بن گئے تھے۔ اُس نے اپنی تعلیم سے اُن کی غفلت کا علاج کیا۔ اور اپنی قدرت سے اِنسان کی کل فطرت کو صحیح و سالم کر دیا +

نجات دہندہ کے شاگرد اپنی الہامی شہادت سے ہمیں اِس امر کا یقین دلاتے ہیں "چنانچہ کہتے ہیں کہ مسیح کی محبت ہم کو مجبور کر دیتی ہے۔ اِس لئے کہ ہم یہہ سمجھتے ہیں کہ جب ایک سب کے واسطے موا تو سب مر گئے۔ اور وہ اِس لئے سب کے واسطے موا کہ جو جیتے ہیں وہ آگے کو اپنے لئے نہ جئیں بلکہ اُس کے لئے جو اُنکے واسطے موا اور پھر جی اُٹھا۔" (۲ کرنت ۵۔ ۱۴۔ ۱۵) یعنی اپنے خداوند یسُوع مسیح کے لئے۔ پھر لکھا ہے کہ "البتہ اُس کو دیکھتے ہیں جو فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا گیا ہے۔ یعنی یسُوع کو کہ موت کا دُکھ سہنے کے سبب جلال اور عزت کا تاج اُسے پہنایا گیا ہی تاکہ خدا کے فضل سے وہ ہر ایک آدمی کے لئے موت کا مزہ چکھے۔" (عبرانیوں ۲۔ ۹)

خدا کے کلام میں یہہ بھی بتلایا گیا ہے کہ کیا ضرور تھا کہ فقط کلمۃ اللہ ہی مجسم ہو کر اِنسان بنے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "جس کے لئے سب چیزیں ہیں اور جس کے وسیلہ سے سب چیزیں ہیں اس کو یہی مناسب تھا کہ جب بہت سے بیٹوں کو جلال میں داخل کرے تو اُن کی نجات کے بانی کو دکھوں کے ذریعہ سے کامل کرلے۔" (عبرانیوں ۲۔ ۱۰) اِن الفاظ سے یہہ مراد ہے کہ بنی آدم کو اُس بگاڑ میں سے نکالنا جس میں وہ مبتلا تھے کلمۃ اللہ کے سوا اور کسی کے بس میں نہ تھا۔ کیونکہ وہی شروع میں اُن کا خالق تھا۔ اور پاک کتاب یہہ بھی بتاتی ہی کہ کلمۃ اللہ نے اس لئے جسم قبول کیا کہ ان لوگوں کو نجات بخشے جو اُس کے سے جسم رکھتے تھے چنانچہ لکھا ہے۔ کہ "جس صورت میں کہ لڑکے خون اور گوشت میں شریک ہیں تو وہ خود بھی اُن کی طرح اُن میں شریک ہوا تاکہ موت کے وسیلہ سے اُس کو جسے موت پر قدرت حاصل تھی یعنی ابلیس کو تباہ کر دے۔ اور جو عمر بھر موت کے ڈر سے غلامی میں گرفتار رہے اُنہیں چھڑا لے۔" (عبرانیوں ۲۔ ۱۴۔ ۱۵)

اُس نے اپنے جسم کی قربانی سے دو کام لئے۔ اوّل اس قانون کو موقوف

کر دیا جو ہمارا مخالف تھا۔ دوئم ہمیں ایک نئی حیات عطا کی اور جسم کے جی اُٹھنے کی امید دلائی۔ موت نے انسان کے ذریعہ سے انسان پر غلبہ پایا تھا پس کلمتہ اللہ نے انسان بن کر موت کو موقوف کر دیا اور زندگی کی قیامت کے سلسلہ کو شروع کیا۔ وہ شخص جو اپنے جسم پر یسُوع کے لئے داغ لئے پھرتا تھا۔ (گلتیوں ۶-۱۷) یوں لکھا ہے کہ جب آدمی کے سبب سے موت آئی تو آدمی ہی کے سبب سے مردوں کی قیامت بھی آئی اور جیسے آدم میں سب مرتے ہیں ویسے ہی مسیح میں سب زندہ کئے جاوینگے۔" (۱ کرنت ۱۵-۲۱-۲۲)

ہم اُن لوگوں کی مانند نہیں جن پر موت کا فتویٰ جاری ہو چکا ہے بلکہ اُن کی مانند ہیں جو اُٹھنے والے ہیں اور جو سب کی قیامت کے منتظر ہیں۔

اس قیامت کو خدا جس نے اُس کو بنایا ہے اور ہمیں مُفت بخشتا ہے"۔ اپنے مناسب وقت پر ظاہر کریگا"۔ (۱۔ تموتھیس ۶-۱۵)

نجات دہندہ کے انسان بننے کا یہی پہلا سبب تھا۔

لیکن ذیل کے وجوہات پر بھی غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اُس کا فیض بخش ظہور عین واجب و مناسب تھا۔

## (۱۱) انسان کے لئے خدا کا حسن انتظام اور انسان کی بدی

خدا نے جو سب چیزوں پر قادر ہے اپنے کلمہ کے ذریعہ سے بنی آدم کو خلق کرتے وقت اُن کی فطرت کی کمزوری کو دیکھا۔ اُس نے معلوم کیا کہ انسان اپنے آپ نہ اپنے خالق کو جان سکتا ہے اور نہ خدا کا کوئی لائق خیال و تصور اپنے ذہن میں لا سکتا ہے

پس اُس نے بنی آدم پر رحم کیا اور چونکہ وہ نیک تھا اس نے ان کو اپنی پہچان سے محروم نہ رکھا کہ مبادا اُن کی ہستی نکمّی و بے فایدہ رہ جائے۔ پس اپنے آپ خدا کو پہچاننا انسان کے لئے محال تھا۔ لیکن انسان کو ہستی سے کیا نفع ہوتا اگر وہ اپنے خالق کو نہ جانتا۔ اگر بنی آدم نطق اللہ یا کلمتہ اللہ کو جس سے انہوں نے حیات و ہستی حاصل کی تھی نہ جانتے تو کیونکر ناطق یا ذی عقل کہلا سکتے۔ تب تو اُن میں اور حیوان مطلق یعنی غیر ذی عقل حیوانوں میں کچھ بھی فرق نہ ہوتا۔ اگر زمینی امور کو چھوڑ کر ان کو آسمانی امور کے ساتھ ذرّہ بھی تعلق نہ ہوتا تو فی الحقیقت وہ حیوان اُن سے کسی بات میں اعلیٰ نہ پائے جاتے۔ اگر خدا کی یہہ مرضی نہ تھی کہ بنی آدم مجھہ کو پہچانیں تو اُس نے اُن کو پیدا ہی کس لئے کیا تھا؟

پس چونکہ خدا نیک ہے اس لئے اُس نے اُنہیں خداوند یسوع مسیح میں جو اُس کی ذات کا نقش ہے شراکت عنایت کی یعنی اُن کو اپنی ہی صورت پر اِس لئے پیدا کیا کہ وہ مجھہ سے ناواقف نہ رہیں اور وہ جانتا تھا کہ اِس فضل کے انعام کے وسیلہ سے بنی آدم خدا کی صورت یعنی کلمتہ اللہ کو پہچانیں اور اس کے سبب باپ کا تصوّر حاصل کریں۔ اور اپنے خالق کو پہچاننے کے سبب سے سرور اور سچّی برکت میں زندگی بسر کریں لیکن بنی آدم سچّائی سے بھٹک گئے۔ اُنہوں نے خدا کے فضل کو حقیر سمجھا۔ پس وہ خدا سے منحرف ہوئے اور ان کی روحیں ایسی ناپاک ہوگئیں کہ اپنے خالق کا خیال بھی کھو بیٹھے اور ایسے بگڑے کہ اپنے لئے مختلف اقسام کے بت ایجاد کرنے لگے۔ بالعوض سچ کے انہوں نے بت بنا لیے اور اپنے اوہام باطلہ کو خدا پر جو موجود ہے ترجیح دینے لگے۔ مخلوق کی پرستش کو اُنہوں نے خالق کی پرستش پر ترجیح دی؛ (رومیوں ۱-۲۵)، اور اس سے بھی بدتر یہہ کیا کہ جو عزت خدا کا حق تھی اسے اُنہوں نے پتھر، لکڑی یا دیگر اشیائے مادّی یا آدمیوں کو دینی شروع کی بلکہ

اپنی گمراہی میں اِس سے بھی بڑھ گئے۔ اُن کی بدبینی نے اِس قدر ترقی کی کہ انہوں نے شیاطین کو پوجنا اور اُن کو خدا کہنا شروع کیا۔ اور اپنی شہوتوں کو پورا کرنے میں مصروف ہوئے۔ آدمیوں اور جانوروں کو قربان کرنا اُن کی عادت ہو گئی اور وہ کہنے لگے کہ دیوتاؤں کا یہی حق ہے۔ پس بنی آدم اپنی دیوانگی کے خوب مطیع بنے۔ اُن کے درمیان جادوگر اور غیب بین پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے ہمجنسوں کو گمراہ کیا۔ لوگ ظاہری چیزوں پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ اپنی پیدائش اور حالت کو ستاروں اور اجرام فلکی کی تاثیر کا نتیجہ سمجھنے لگے۔

حاصل کلام بدبینی اور خودسری نے ایسا زور پکڑا کہ خدا اور کلمتہ اللہ کو سب بھول گئے۔ گو خالق کی پاک ذات کسی وقت اُن سے پوشیدہ نہ تھی۔ خدا نے نہ فقط ایک طریقے سے بلکہ طرح طرح اپنے تئیں اپنی مخلوقات پر ظاہر کیا تھا۔

## (۱۲) توریت اور نبیوں کے باوجود بنی آدم کی سرکشی

اِنسان کو یہہ فضل بخشا گیا تھا کہ وہ خدا کی صورت پر خلق کیا گیا تھا۔ اِس سے یہہ نتیجہ نکلنا چاہیئے تھا کہ وہ اوّل کلمتہ اللہ کو پہچانتا اور اُس کے وسیلہ سے خدا باپ کی شناخت حاصل کرتا۔ لیکن خدا نے اِنسان کی کمزوری سے واقف ہو کر اُسکی غفلت کا علاج کیا۔ ایسا کہ اگر اُن کو اپنی عقل کے خدا کے پہچاننے کی خواہش نہ ہوتی تاہم کائنات کو دیکھ کر خالق کی پہچان سے محروم نہ رہتے۔

لیکن چونکہ اِنسان کی غفلت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی خدا نے از سر نو اُن کی کمزوری کا چارہ کیا۔ اُس نے اُن کو ایک شرع بخشی اور ایسے شخصوں کو جن کو وہ جانتے تھے بنی بنا کر ان کی طرف مبعوث کیا۔ بنی آدم نے آسمان کی طرف دیکھ کر اپنے خالق کو پہچاننا تو بالکل چھوڑ دیا تھا۔ پس خدا نے اُن کے درمیان ایسے

آدمی بھیج دئیے جن سے وہ تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔ آسمانی باتوں کو آدمی زیادہ تر
اس حال میں براہ راست سیکھ سکتاہے جبکہ سکھانے والے اس کے ہمجنس انسان ہوں
اگر انسان اپنی آنکھیں اُٹھا کر آسمان کی وسعت اور خلقت کی اس کثرت کو
دیکھتا جس میں یکجہتی اور اتفاق بھی ہے تو اُس کے لئیے ممکن تھا کہ دنیا کے حاکم اور
کلمتہ اللہ کو پہچانتا۔ جو کل اشیاء کا منتظم ہے اور اپنے انتظام سے آدمیوں کو
ہدایت خُدا باپ کی طرف کرتا ہے۔ جو اسی غرض سے عالم کو متحرک کرتا ہے تاکہ سب
بذریعہ اُس کے خُدا کو پہچانیں +

یا اگر یہہ مشکل تھا تو انسان کے لئے ممکن تھا کہ مقدس آدمیوں کی صحبت
میں بیٹھتا اور بذریعہ اُنکے خُدا کو جو سب اشیاء کا صانع اور مسیح کا باپ ہے۔ پہچانتا
نیک آدمیوں کی صحبت سے اس کو معلوم ہو جاتا کہ بُتوں کی پرستش بے دینی
اور خُدا کا انکار ہے +

یا وہ خُدا کے احکام کو سیکھ کر نافرمانی سے بچ سکتا تھا۔ اُس کے لئے ممکن تھا
کہ خُدا کے حکموں کی مدد سے دینداری کی زندگی بسر کرے۔ کیونکہ شریعت فقط
یہودیوں کی خاطر ہی نہیں آئی اور نبی صرف اُنہی کی خاطر نہیں بھیجے گئے۔ ہاں یہودیوں
کے پاس بھیجے تو گئے اور اُن سے ظلم اٹھایا مگر نبی کل دُنیا کے لئے خدا کے علم کا مدرسہ
اور روح کی ہدایت کا مکتب تھے +

خُدا کی نیکی اور مہربانی کی تو کچھ حد نہ تھی تاہم انسان چندروزہ خوشیوں پر عاشق
ہوا اور شیاطین کے دعووں اور مکر کے بند میں پھنسا۔ اس نے اپنا سر حق کی طرف
نہ اٹھایا۔ بلکہ بدی اور گناہ کا بوجھ اپنے کندھے پر اور بھی دھر لیا اور ایسا بگڑ گیا کہ
کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہہ ناطق ذی عقل ہے بلکہ اُس کی حالت ایسی ہو گئی جیسی غیر
ذی عقل حیوان مطلق کی ہوتی ہے +

# (۱۳) نسل انسان کا نیا کیا جانا مناسب تھا

پس معلوم ہوا کہ بنی آدم غیر ذی عقل ہوگئے۔ شیاطین کے فریب نے ہر جگہ خلقت میں تاریکی پھیلادی۔ حقیقی خُدا کا علم پوشیدہ ہوگیا۔ اب کیا کرنا خُدا کی شان کے لائق تھا؟ کیا وہ ایسے ظلم کے مقابلہ میں خاموش رہتا اور بنی آدم کو شیاطین کا فریب کھاکر اپنی ذات پاک سے غافل رہنے دیتا۔

اگر ایسا ہی کرنا مناسب تھا تو ابتدا میں آدمی کو اپنی صورت پر پیدا کرنے سے کیا حاصل ہوتا۔ چنانچہ انسان کے لئے یہہ اچھا ہوتا کہ شروع ہی سے حیوان مطلق اور غیر ذی عقل پیدا کیا جاتا بسبب اس کے کہ ذی عقل اور ناطق ہونے کے بعد حیوان مطلق کی سیچّی زندگی گذارے۔

اور اسکا بھی کیا فایدہ تھا کہ آیندہ میں خُدا کی بابت کوئی علم حاصل کرتا اگر بعد میں اُس علم کو بالکل ہاتھ سے چھوڑ دیتا۔ تو شروع ہی میں اُسکا نہ ملنا بہتر ہوتا کیا کوئی بادشاہ گو وہ بشر ہے اپنے آباد کئے ہوئے ممالک کو کسی دوسرے کے ہاتھ میں سونپ دے۔ کیا وہ اِس بات کا متحمل ہوسکتا ہے کہ اُس کی رعایا کسی دوسرے بادشاہ کی خدمت اور دبدبہ میں رہے یا غیر کی اطاعت اختیار کرے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ برعکس اس کے وہ خطوط لکھیگا اور وقتاً فوقتاً اپنے دوستوں کو بھیجیگا اور اگر ضرورت ہو تو خود اپنے آباد کئے ہوئے ملک کو دیکھنے جاویگا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اپنی حضوری سے شرمندہ کرے اور اُن کو کسی دوسرے کی تابع داری سے روکے گا تاکہ اُس کا کیا ہوا کام برباد نہ ہو جائے۔ جب دنیوی بادشاہوں کو اتنی غیرت ہے تو کیا خدا کی غیوری ء اس سے بھی کم ہے؟ کیا خدا اپنی مخلوقات کی طرف سے غافل رہے گا اور اُن کو بھٹکنے دیگا؟ کیا وہ اُنھیں خالق کو چھوڑکر معدوم چیزوں کی عبادت کرنے دے گا؟ اور خاصکر اس حالت میں جب کہ اُن کے ایسے

فعل کا یہ نتیجہ ہو کہ وہ خود برباد ہو جائیں۔ کیا مناسب ہے کہ ایسی مخلوق تباہ ہو جو خالق کی مشابہت رکھتی ہے +

پس خدا کو کیا کرنا مناسب تھا؟ وہی جو اُس نے کیا۔ یعنے یہ کہ اُس نے اپنے اُس فضل کو دوبارہ بخشا جس کے باعث اُس نے اِنسان کو اپنی صورت پر خلق کیا تھا۔ تاکہ اُس کے ذریعہ سے بنی آدم پھر اپنے خالق کو پہچان سکیں لیکن اُس کا صرف ایک ہی رستہ تھا اور وہ یہ کہ خدا کی وہی صورت یعنے ہمارا خداوند یسوع مسیح پھر زمین پر آوے +

آدمی سے یہ کام نہ ہو سکتا تھا۔ وہ تو خالق کی صرف صورت پر بنائے گئے ہیں۔ فرشتوں سے یہ کام نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ بھی خدا کی صورت پر بنائے نہیں گئے۔ پس کلمۃ اللہ خود آیا۔ جو باپ کی صورت ہے۔ تاکہ اِنسان کو از سرِ نو خدا کی صورت پر لائے۔ اِس کام کے لئے ضرور تھا کہ موت اور انتشار موقوف کر دیا جائے۔ پس اُس نے ایک فانی جسم اختیار کیا تاکہ اس جسم میں موت کو کلّیہ طور پر دُور کر دے۔ اور بنی آدم کو دوبارہ خدا کی صورت پر لاوے۔ اِس ضرورت کا رفع کرنا فقط باپ کی صورت کے بس میں تھا +

## (۱۴) کلمۃ اللہ کے تجسّم کی مناسبت

فرض کرو کہ ایک تصویر کسی تختی پر نقش ہے جو داغوں اور دھبّوں کے باعث تقریباً مٹ گئی ہے۔ اِس کے دوبارہ روشن کرنے کا انتظام کیونکر ہو سکتا ہے اِس کے لئے ضرور ہو گا کہ وہ شخص پھر بُلایا جاوے جس کی وہ تصویر ہے اگر وہ حاضر ہو جائے تو اُس کی تصویر کا دوبارہ اسی پہلی تختی پر کھینچنا ممکن ہو گا۔ چونکہ تصویر کسی قدر مٹ گئی ہے کوئی اِس کاغذ کو جس پر کسی وقت میں وہ تصویر تھی

پھینک نہ دیگا۔ بلکہ کوشش کی جاوے گی کہ اُسی تختی پر اسی پُرانی تصویر کو دوبارہ روشن کریں۔ اسی طرح باپ کا قدّوس بیٹا جو باپ کی صورت ہے ہمارے علاقے میں آیا تاکہ آدمی کو دوبارہ اپنی صورت پر لاوے۔ اور اُس کو جو کھویا گیا تھا۔ بذریعہ گناہوں کی مغفرت کے تلاش کرے۔ چنانچہ اس کی وہ خود شہادت دیتا ہے۔ کہ "ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔" (لوقا ۱۹: ۱۰) اسی طرح اُس نے یہودیوں سے بھی کہا۔ "جب تک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو" (یوحنا ۳: ۳) اس جملہ سے اُس کی یہ مُراد نہ تھی کہ آدمی کو دوبارہ کسی عورت کے وسیلہ سے جنم لینا ضرور ہے۔ جیسا وہ سمجھتے تھے بلکہ وہ نیا جنم مراد تھا جو رُوح کے نئے کئے جانے اور خدا کی صُورت میں دوبارہ لائے جانے سے آدمی کو ملنا ہے ✚

جب کہ دُنیا بُت پرستی کے دیوانہ پن اور بیدینی کے تصرّف میں تھی اور خدا کی پہچان جاتی رہی تھی تو کس کا کام تھا کہ دنیا کو باپ کی سچّی تعلیم دے۔ کیا یہ کام آدمی کے بس کا تھا۔ آدمیوں کے لئے تو ممکن نہ تھا کہ دنیا کے ہر موضع میں جاویں۔ اِن میں اتنا سفر کرنے کی طاقت نہیں اور کوئی ایسا معتبر نہیں کہ ہر جگہ لوگ اس کی بات کو تسلیم کرلیں۔ نہ انسان کو اتنی قدرت ہے کہ شیاطین کے حیلہ اور فریب کا کافی مقابلہ کرسکے ✚

دُنیا کے سب لوگ شیطانی فریب اور بتوں کی باطل پرستی میں مبتلا اور سرگردان تھے۔ پس اِن میں سے کسی سے کب ممکن تھا کہ دوسروں کو راستی کی ترغیب دے سکتا۔ اندھا اندھے کو کس طرح راہ دکھا سکتا ہے ✚

شاید کوئی کہے کہ خدا کی شناخت کے لئے محض دُنیا کی پیدایش ہی کافی تھی۔ لیکن اگر محض پیدایش ہی کافی ہوتی تو پھر اتنی قباحتیں اور خرابیاں کس طرح

پیدا ہو سکتیں۔ خدا نے انسان کو پیدا تو کیا۔ لیکن باوجود خدا کی مخلوق ہونے کے بنی آدم غلطیوں کی کیچڑ میں لوٹ رہے تھے ✤

پس کلمۃ اللہ کے سوا اور کس کی ضرورت تھی۔ وہی ایسی بصارت رکھتا ہے کہ انسان کی رُوح اور عقل کے بھید جانے۔ وہی ہر شے کا متحرک ہے اور اُن کے ذریعے سے باپ کی پہچان بخشتا ہے۔ اس انتظام اور ترتیب کے ذریعہ سے جو وہ دینوی اشیا کو دیتا ہے ہم کو باپ کی شناخت حاصل ہوتی ہے۔ پس یہ اسی کا حصہ تھا کہ اس شناخت کو از سرنو پیدا کرے ✤

لیکن یہ کیونکر کیا جا سکتا تھا۔ شاید کوئی کہے کہ خدا کو چاہئے تھا کہ تمام خلقت کو از سرنو پیدا کرے اور اپنی صنعت میں پھر اپنا ظہور و جلوہ بخشے۔ جس طرح اُس نے پہلے کیا تھا۔ لیکن اس طریق پر چنداں اعتماد نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی طریقہ خدا نے پہلے برتا لیکن بنی آدم نے اس کی پرواہ نہ کی۔ بجائے آنکھیں اوپر اٹھانے کے اُنھوں نے اپنا رُخ نیچے کو کر لیا تھا ✤

پس آدمیوں کے فائدے کے لئے وہ آدمی بنکر آیا۔ اور ایسا جسم اختیار کیا جیسا معمولی آدمیوں کا ہوتا ہے اور اُس نے ادنیٰ چیزوں یعنی اپنے جسم کے کئے ہوئے کاموں سے تاکہ وہ جو دنیا کے الٰہی حسن انتظام سے اُس کو پہچاننا نہیں چاہتے تھے۔ اُس کے جسمانی افعال کے ذریعہ سے اُس کو جانیں۔ اور کلمۃ اللہ کو مجسّم دیکھکر باپ کی معرفت حاصل کریں ✤

## (۱۵) کلمۃ اللہ کی فروتنی

بعض طالب علم ایسے ہوتے ہیں کہ مشکل مضامین کا سمجھنا اُنکی طاقت سے بعید ہوتا ہے پس عقلمند معلّم اُن کی کمزوری کا لحاظ کر کے اُن کو کسی بڑے

آسان طریقہ سے پڑھاتا ہے۔ کلمۃ اللہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ پولوس بھی ایسا ہی فرماتا ہے۔ "اس لئے کہ جب خدا کی حکمت کے مطابق دنیا نے اپنی حکمت سے خدا کو نہ پہچانا تو خدا کو یہ پسند آیا کہ اُس منادی کی بیوقوفی سے ایمان لانیوالوں کو نجات دے" (کرنتھیوں ۱: ۲۱)۔

کلمۃ اللہ نے دیکھا کہ بنی آدم نے خدا کا تصوّر چھوڑ دیا ہے۔ اور اپنی نظر کو نیچے لگا کر موجودات اور محسوسات میں خدا کی تلاش کرتے ہیں۔ اور یوں فانی انسانوں اور شیاطین کو اپنا خدا گردان رہے ہیں۔ تب اُس نے جو سب کا منجی ہے اپنے لطف و مہر سے ایک جسم اختیار کیا۔ اور آدمیوں کے درمیان آدمی بنکر تمام آدمیوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا۔ آدمیوں کا خیال تھا کہ خدا جسمانی چیزوں میں ہے۔ پس وہ جسم ہی میں آموجود ہوا تاکہ اُس کے جسمانی کاموں میں وہ حق کو معلوم کریں۔ اور اسکے ذریعے سے باپ کی شناخت تک پہنچ جاویں۔ وہ بشر تھے اور اُن کی توجہ بالکل بشری معاملات میں لگی ہوئی تھی۔ پس کلمۃ اللہ نے بشریت کا جامہ پہنکر بشریت کی حالت کو بدل دیا۔ اب بشریت خدا کی پہچان میں مدد دینے لگی اور ہر طرف سے انسان کو حق کی تعلیم ملنے لگی۔

کیا پہلے بنی آدم مخلوقات کو دیکھکر متحیّر نہ تھے۔ یہاں تک کہ اسکو معبود مان لیا تھا اب اُنھیں مسیح کو خدا مانتے ہوئے دیکھتے اُن کی عقل ایسی نہ بگڑ گئی تھی کہ وہ آدمیوں کو خدا مانتے تھے۔ اب نجات دہندہ نے ایسے کام دکھلائے کہ اگر اُن کا مقابلہ انسانی کاموں کے ساتھ کیا جاتا تو اُن سے ثابت ہوتا کہ بنی آدم میں اکیلا وہی ابن اللہ ہے۔ کیونکہ بنی آدم کے کام کلمۃ اللہ کے کاموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کیا بنی آدم شیاطین پر فریفتہ نہ ہو گئے تھے۔ اب اُنھوں نے دیکھا کہ خداوند اُن کو بھگاتا اور زک دیتا ہے۔ پس اُن کو معلوم ہوا کہ فقط

کلمۃ اللہ ہی خدا ہے اور شیاطین خدا نہیں ہیں۔ کیا بنی آدم گذشتہ زمانوں کے بہادروں کی پرستش نہ کرتے تھے اور اُن پر عاشق نہ تھے جنھیں شاعروں نے دیوتا بنا دیا تھا۔ اب اُنھوں نے نجات دہندہ کی قیامت دیکھی اور اقرار کیا کہ ہمارے پہلے معبود جھوٹے تھے۔ اُن کو معلوم ہوا کہ باپ کا کلمہ ہی فقط سچّا خداوند ہے۔ بلکہ وہ موت پر بھی اختیار رکھتا ہے +

اِس کے انسانی تولد اور ظہور کی یہی وجہ تھی۔ اِسی لئے وہ مرا اور پھر زندہ ہُوا۔ اِس کے کاموں کی روشنی کے مقابلہ میں تمام انسانی کام دُھندلے ہو کر غائب ہو گئے۔ وہ تمام انسانوں کو ہر جگہ کھینچتا ہے اور اپنے سچّے باپ کی پہچان بخشتا ہے۔ وہ خود فرماتا ہے "میں اِس لئے آیا ہوں کہ کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈوں اور بچاؤں (لوقا ۱۹: ۱۰) +

## (۱۶) کلمۃ اللہ کی معموری

جب اِنسانی عقل نفس کی مطیع ہو گئی تو کلمۃ اللہ نے جسم کے ذریعہ سے ظاہر ہونا منظور فرمایا تا کہ اِنسان ہو کر آدمیوں کو اپنا بنا لے۔ اور اُن کے حواس کو اپنی طرف رجوع کرے اور اس وقت سے ابتک بذریعہ اِن کاموں کے جو اُس نے کئے تھے وہ بنی آدم کو سمجھاتا ہے کہ گو تم نے مجھے آدمی کی صورت میں دیکھا تاہم میں خدا ہوں میں کلمۃ اللہ اور سچّے خدا کی عقل و حکمت ہوں۔ پولوس بھی یہ کہکر اِس بات کا اظہار کرتا ہے۔ "تا کہ تم محبّت میں جڑ پکڑ کر اور بنیاد قائم کر کے سب مقدّسوں سمیت بخوبی معلوم کر سکو کہ اِس کی چوڑائی اور لمبائی اور اونچائی اور گہرائی کتنی ہے۔ اور مسیح کی اُس محبّت کو جان سکو جو جاننے سے باہر ہے تا کہ تم خدا کی ساری معموری تک معمور ہو جاؤ (افسیوں ۳: ۱۷، ۱۹)

چونکہ کلمۃ اللہ نے اپنے تئیں ہر جگہ منکشف کیا ہے اس لئے کل دُنیا خدا کی پہچان سے معمور ہوگئی ہے۔ اس نے ہر جگہ اپنے آپ کو منکشف کیا ہے اوپر اور نیچے۔ گہرائی اور چوڑائی میں۔ اوپر یعنے مخلوقات میں۔ نیچے یعنے اپنے تجسم میں۔ گہرائی یعنے عالمِ ارواح میں۔ چوڑائی یعنے کل عالم میں اس کی معموری ہوگئی +

اس لئے اُس نے آتے ہی اپنے تئیں قربان نہیں کر دیا۔ دُنیا میں آتے ہی اُس نے موت اور قیامت کا تجربہ حاصل نہ کیا کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا تو فوراً ہماری نظروں سے غائب ہو جاتا۔ بلکہ اُس نے اپنے آپ کو بخوبی جسم میں ظاہر کیا۔ وہ جسم میں رہا اور ایسے کام کرتا اور نشان ظاہر کرتا رہا جن سے ثابت ہُوا کہ وہ محض انسان نہیں ہے بلکہ کلمۃ اللہ اور خدا ہے +

نجات دہندہ نے اپنے تجسم سے بباعث اپنی محبت اور رحم کے یہ دونوں کام کئے۔ اس نے موت کو ہم سے دور کیا اور ہم کو نئی حیات بخشی۔ اور چونکہ وہ نادیدہ تھا اس لئے اپنے کاموں کے ذریعہ سے دکھائی دیا۔ اس کے کاموں کو دیکھ کر ہم نے پہچانا کہ وہ باپ کا کلمہ اور کل مخلوقات کا حاکم اور بادشاہ ہے +

## (۱۷) تجسّم کے باعث کلمۃ اللہ محدود نہ ہو گیا

لیکن جسم نے اُس کو محدود نہ کر دیا۔ اور جسم میں رہنے سے یہ نتیجہ نہ نکلا کہ اُس کی حضوری اور جگہوں سے جاتی رہی۔ وہ جسم کو تو متحرک کرتا تھا اور ساتھ ہی اسکے کل عالم اسکے اثر عمل اور انتظام سے معمور تھا۔ اور کیسی عجیب یہ بات ہے کہ وہ کلمۃ اللہ ہونے کے باعث کسی شے سے محاط نہوا بلکہ اُسی کا احاطہ ہر شے پر تھا۔ وہ مخلوقات کے اندر حاضر تھا تاہم مخلوقات سے بلحاظ ماہیت علیحدہ تھا۔ ہر شے نے اُس سے زندگی حاصل کی۔ کسی شے نے اُس پر احاطہ نہ کیا بلکہ وہ ہر شے پر

اپنا احاطہ رکھتا تھا۔ اُس کی ہستی ہر طرح سے فقط اُس کے باپ کی پاک ذات کے اندر تھی۔ وہ جسم کے اندر تھا اور اس جسم کو زندگی بخشتا تھا لیکن ساتھ ہی اس کے کل عالم کو زندہ رکھتا تھا۔ وہ عالم کے ہر حصہ میں حاضر تھا تاہم اُس کی کُلیت سے باہر تھا۔ اس نے نہ فقط اُن کاموں کے ذریعہ سے اپنے تئیں نمایاں کیا جو اُس نے جسم میں ہو کر کئے بلکہ اپنے اس اثر و عمل کے ذریعہ سے بھی جو کل عالم میں ظاہر تھا۔ روح کی خاصیت ہے کہ وہ بذریعہ خیال کے اِن اشیأ پر غور کر سکتی ہے جو جسم کے باہر ہیں۔ لیکن وہ جسم کے باہر عمل نہیں کر سکتی۔ نہ وہ اِن اشیاء کو متحرک کر سکتی ہے جو اس سے فاصلہ پر ہیں۔ آدمی میں قوت نہیں کہ محض خیال کے زور سے ایسی اشیاء کو متحرک کرے جو اس سے دور ہیں۔ اپنے گھر بیٹھکر آدمی اجسام سماوی کی نسبت سوچ سکتا ہے۔ لیکن اس سوچ میں یہ قوت نہیں کہ آفتاب کو حرکت یا آسمان کو گردش دے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آفتاب و ماہتاب اور ستارے گردش کرتے اور موجود ہیں لیکن ہم اپنا زور اُن پر نہیں چلا سکتے +

لیکن کلمۃ اللہ کی مجسّم ہو کر یہ حالت نہ تھی۔ اس کا جسم اُسکے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھا بلکہ وہ کامل طور پر اس جسم پر حاوی تھا۔ وہ نہ فقط جسم کے اندر تھا بلکہ ہر جگہ حاضر و ناظر تھا۔ وہ کل مخلوقات کے باہر اپنے باپ میں رہتا تھا۔ عجوبہ اس میں ہے کہ جس حال میں وہ انسانی زندگی بسر کر رہا تھا۔ بباعث کلمۃ اللہ ہونیکے وہ ہر شے کو زندہ کرتا تھا۔ اور بسبب بیٹا ہونیکے باپ کے ساتھ موجود تھا۔ پس کنواری کے بطن سے پیدا ہونے کے باعث بھی اس میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی مجسّم ہونے کے باعث اُس کی ذات میں کوئی نقص یا ناپاکی داخل نہ ہوئی۔ بلکہ اس کے برعکس اس نے جسم کو پاک و مقدس کیا +

گو وہ ہر شے کے اندر ہے تاہم اُسکی ذات علیحدہ ہے اور مخلوقات کی ذات علیحدہ

وہ ہر شے کا زندہ کرنے والا اور رزّاق ہے - آفتاب جسے ہم دیکھتے ہیں اور جو گردش کرتا ہے اُس کی صنعت ہے لیکن آفتاب زمینی اجسام کے تعلق سے ناپاک نہیں ہو جاتا - تاریکی اس پر غالب نہیں آتی - بلکہ وہ ہر شے کو روشن اور پاک کرتا ہے پس خدا کا پاک کلمہ جو آفتاب کا خالق اور مالک ہے جسم میں ظاہر ہونے سے ناپاک نہیں ہُوا - برعکس اسکے چونکہ وہ غیر فانی ہے اس نے فانی جسم کو زندہ اور پاک کیا - پاک کلام بھی یہی کہتا ہے کہ نہ اُس نے گناہ کیا نہ اُس کے موُنہہ سے مکر کی کوئی بات نکلی" (۱پطرس ۲ : ۲۲) ✣

## (۱۸) کلامِ مجسّم کے کام

مقدّس کتابوں کے لکھنے والے جب کلمۃ اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو بیان کرتے ہیں کہ وہ کھاتا پیتا تھا - اور وہ عورت سے پیدا ہُوا - پس سمجھ لو کہ ان محاورات کا اطلاق محض اسکے جسم پر ہے یعنے اس کا جسم عورت سے پیدا ہُوا اور غذا کھاتا تھا - کلمۃ اللہ جو خدا ہے جسم میں رہکر عالم کا منتظم تھا - ان کاموں کے ذریعہ سے جو اُس نے جسم میں ہو کر کئے اُس نے اپنے آپ کو نہ انسان بلکہ کلمہ اور خدا ظاہر کیا - جسمانی کاموں (یعنے پیدا ہونے کھانے پینے دکھ سہنے) کا اطلاق اُس کی طرف اسلئے ہے کہ وہ جسم جو یہ سب کرتا تھا اُسی کا جسم تھا مناسب تھا کہ جب وہ انسان بنگیا تو کام بھی ایسے ہی کرتا[ا] تاکہ سب پر ثابت ہو جائے کہ وہ جسم جو اُسنے اختیار کیا محض دھوکا نہ تھا بلکہ حقیقی تھا ✣

---

[ا] ✻ اتھنیسیس کے زمانے میں ڈوکیٹی نام ایک بدعت تھی جس کی تعلیم کے بموجب مسیح کا جسم حقیقی نہیں تھا بلکہ محض صوری ✣

جیسا کہ بوسیلہ اِن چیزوں کے اُس نے اپنی جسمانی حضوری کو ثابت کیا۔ اسی طرح بذریعہ اِن کاموں کے جو جسم کی وساطت سے کئے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ثابت کر دیا اسی لئے اس نے بے اعتقاد یہودیوں سے فرمایا "اگر میں اپنے باپ کے کام نہیں کرتا تو میرا یقین نہ کرو۔ لیکن کرتا ہوں تو گو میرا یقین نہ کرو مگر اِن کاموں کا تو یقین کرو تاکہ تم جانو اور سمجھو کہ باپ مجھ میں ہے اور میں باپ میں" (یوحنا ۱۰: ۳۷، ۳۸)

کیونکہ جسطرح وہ اندیکھا ہو کر مخلوقات پر غور کرنے سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح انسان بنکر اور جسم سے پوشیدہ ہو کر اپنے کاموں سے ثابت کرتا ہے کہ میں جو یہ سب کچھ کرتا ہوں انسان نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور اُس کا کلمہ ہوں۔ شیاطین کو حکم سے دُور کر دینا انسان کا کام نہیں بلکہ خدا کا ہے۔ کون شخص ہے جو اُس کو جسمانی امراض کو دُور کرتا دیکھ کر کہے گا کہ یہ خدا نہیں بلکہ انسان ہے۔ اُس نے کوڑھیوں کو پاک صاف کیا لنگڑوں کو چلنے کی طاقت دی۔ بہروں کو سماعت بخشی۔ اندھوں کو بصارت دی۔ اور آدمیوں میں سے ہر قسم کے مرض اور ضعف کو دُور کیا۔ اِن کاموں کو دیکھ کر سرسری نظر سے دیکھنے والے بھی کہینگے کہ اس میں بے شبہ الوہیّت ہے اُس نے ایک مادر زاد اندھے کو آنکھیں دیکر وہ شے عنایت کی جو ماں کے رحم سے اُسے نہ ملی تھی پھر ایسے عظیم معجزہ کو دیکھکر کون نہ کہیگا کہ انسان کی فطرت اسکے قبضہ میں ہے اور وہ فطرت انسان کا خالق اور صانع ہے کیونکہ جس نے وہ چیز عطا کی جو آدمی اپنی پیدائش سے نہ رکھتا تھا تو ضرور وہ آدمی کی پیدائش کا مالک ہے۔ ابتدا میں جبکہ وہ ہمارے پاس آنیکا قصد کرتا تھا تو اُس نے کنواری کے رحم میں اپنے لئے ایک جسم تیار کیا۔ تاکہ دنیا کو اپنی خدائی کا ایک بڑا بھاری ثبوت دیدے۔ کیونکہ جو انسانی جسم کو پیدا کر سکتا ہے وہ اور سب چیزیں بھی بنا سکتا ہے۔ کون ہے جو کنواری کو بغیر صحبت مرد کے حاملہ ہوتے اور بچّہ جنتے دیکھے اور نہ کہے کہ یہ

جو جسم میں ظاہر ہوا ہے دُنیا کا خالق اور مالک ہے۔ کون ہے جو پانی کو مے بنتے دیکھے اور نہ کہے کہ وہ جس نے یہ کام کیا ہے پانی کی ماہیّت اور اصلیّت کا مالک اور خالق ہے۔ اپنی الوہیّت کو ثابت کرنے کی غرض سے وہ پانی پر یوں چلا جیسے خشکی پر۔ اس معجزے سے اُس نے ثابت کیا کہ میں ہر شے پر قادر ہوں + اُس نے جو کتنے ہی آدمیوں کو تھوڑی سی روٹی سے سیر کیا۔ اور قحط کو ارزانی سے بدل دیا۔ یہاں تک کہ پانچ روٹیوں سے پانچہزار آدمی سیر ہوئے۔ اور ابتدائی ذخیرے سے پھر بھی بہت زیادہ روٹیاں باقی رہگئیں۔ کیا اِن کاموں سے ثابت نہ ہُوا کہ وہ کل انتظامِ جہان کا مالک ہے +

## (۱۹) کلمۃ اللہ کے کام اور کائنات کی گواہی

نجات دہندہ نے اِن سب کاموں کا کرنا پسند کیا۔ بنی آدم اس سے بے خبر ہو گئے تھے کہ کل عالم کا وہی منتظم ہے۔ مخلوقات کے ذریعے سے وہ اُس کی خدائی کو نہ محسوس کرتے تھے۔ پس اُس نے ایک جسم اختیار کیا تاکہ اُن کاموں کو دیکھکر جو اُس نے جسم میں رہ کر کئے بنی آدم دوبارہ بصارت حاصل کریں اور اُس کے وسیلہ سے باپ کا علم اُن کو حاصل ہو۔ اور چند خاص حالتوں میں کلامِ مجسّم کے اثر کو محسوس کر کے اُس کی قدرت کو پہچانیں جو کل عالم کی منتظم ہے۔ جن لوگوں نے یہ دیکھ لیا کہ اُسے شیاطین پر کیسا اختیار حاصل تھا اور شیاطین نے علانیہ اُسکی خداوندی کو تسلیم کر لیا۔ وہ کسطرح کہہ سکتے تھے کہ ہمیں اُسکے ابن اللہ یا کلمۃ اللہ یا قدرت اللہ ہونے میں ذرہ بھی شک باقی ہے +

کائنات کو بھی اُس نے مجبور کیا کہ اُس پر گواہی دے۔ اور جائے تعجب ہے کہ اُس کی موت کے وقت (جسکو اُس کی فتح کا وقت کہنا زیادہ مناسب ہے)

یعنی عین حالت فصلیب ہیں کل کائنات نے اقرار کیا کہ یہ جو جسم میں ظاہر ہؤا اور اب دُکھ اُٹھا رہا ہے فقط انسان نہیں بلکہ ابن اللہ اور سب کا منّجی ہے۔ کیونکہ آفتاب نے اپنا موتھہ پھیر لیا۔ اور زمین اور پہاڑ شق ہو گئے کل بنی آدم خوف زدہ ہو گئے۔ پس اِن سب واقعات سے ثابت ہؤا کہ مسیح صلیب پر خدا تھا اور کل مخلوقات اسکے ماتحت ہونے کے باعث خوف کے مارے اُس کی حضوری پر گواہی دے رہی تھی ٭

پس اس طور پر کلمۃ اللہ نے بذریعہ اپنے کاموں کے اپنے تئیں بنی آدم پر نمایاں کیا۔ اب ہم یہ بیان کرینگے کہ اُس کی جسمانی زندگی اور دَور کا انجام و نتیجہ کیا ہؤا۔ ہم اُس کے جسم کی موت کی حقیقت کو بھی کھولینگے۔ خاصکر اِس وجہ سے کہ ہمارے ایمان کا مرکز یہی ہے۔ اور ہر جگہ اس کا بہت چرچا ہوا کرتا ہے۔ اس بیان کے پڑھنے سے بھی تم کو معلوم ہو جائیگا کہ مسیح خدا اور خدا کا بیٹا ہے ٭

## (۲۰) گذشتہ دلائل کا خلاصہ

جہان تک ممکن تھا اور جہاں تک ہماری سمجھ نے کام دیا ہم نے بیان کیا کہ کلمۃ اللہ کے جسم ہیں ظاہر ہونے کے اسباب کیا تھے۔ کِسے قدرت تھی کہ فانی کو غیر فانی کردے مگر اُسی منّجی کو جس نے شروع میں ہر شے کو نیست سے ہست کیا تھا۔ کون بنی آدم کو دوبارہ خدا کی صورت ہیں پیدا کر سکتا تھا مگر وہ جو خود باپ کی صورت تھا۔ کون مرنے والے کو اِس قدر بدل سکتا تھا کہ پھر اُس پر موت کا غلبہ نہ رہے مگر ہمارا خداوند یسوع مسیح جو خود حیات و زندگی ہے۔ کون بنی آدم کو باپ کی سچّی شناخت دیکر بتوں کی پرستش موقوف کر سکتا تھا مگر کلمۃ اللہ جو سب اشیاء کا منتظم اور اکیلا باپ کا بیٹا ہے ٭

لیکن خاصکر چونکہ ضرور تھا کہ وہ قرض جس کے سب دیندار تھے ادا کیا جاوے

(اور سب موت کے تحت میں آچکے تھے) وہ ہم میں آکر رہا۔ اسیوجہ سے اپنے کاموں کے ذریعے سے اپنی الوہیت کا ثبوت دیکر اُس نے سب کی خاطر قربانی گذرانی یعنی اپنے جسم کو سب کے بدلے موت کے حوالہ کیا۔ تاکہ بعد اُسکے موت کا بنی آدم پر کچھ دعویٰ نہ رہے اور وہ پچھلی خطا سے بری اور آزاد ہو جائیں۔ اُس نے اپنے تیئں موت سے زبردست ثابت کیا اور اپنے غیر فانی جسم کو سب کی قیامت کے پہلے پھل کے طور پر ظاہر کیا +

اسپر تعجب نکرو کہ ہمیں اس مضمون کے بیان میں پہلے کہی ہوئی باتیں بار بار دُہرانی پڑتی ہیں۔ ہم ایک ایسے کام کا مطلب کھول رہے ہیں جسے خدا نے اپنی مہربانی و شفقت کے باعث کیا۔ پس ہم مجبور ہیں کہ ایک ہی خیال کو بہت سی صورتوں میں ادا کریں۔ کہ مبادا کوئی بات باقی رہجاوے اور ہمپر یہ الزام آوے کہ ہمنے کسی مسئلہ کو ناکمل چھوڑ دیا طوالت کو ہم زیادہ پسند کرتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ کوئی ضروری بات چھوڑ دیجاوے +

اسکا جسم بباعث اور اجسام کی مانند مادی ہونیکے فانی تھا۔ گو وہ اعجازی طور پر باکرہ کے رحم میں بنایا گیا تھا۔ تاہم وہ ایک انسانی جسم ہی تھا۔ اسلیئے ضرور تھا کہ مناسب وقت پر موت سے مغلوب ہو۔ لیکن چونکہ کلمۃ اللہ اُس میں داخل ہوا تھا اسلیئے وہ غیر فانی ہو گیا۔ کلمۃ اللہ کا مسکن ہونیکے باعث وہ جسم فنا کے بس کا نہ رہا۔ اور دو عجیب باتیں ایک ہی ساتھ وقوع میں آئیں۔ اوّل[1] سب کی موت خداوند کے جسم میں پوری ہوئی۔ دوئم[2] موت اور فنا کلمۃ اللہ کی حضوری کے باعث بالکل موقوف کر دیگئی۔ کیونکہ موت کی ضرورت تھی اور ضرور ہے کہ سب مریں تاکہ سب کا قرضہ ادا کیا جاوے پس کلمۃ اللہ نے جو مر نہ سکتا تھا (بباعث غیر فانی ہونیکے) ایک فانی جسم اختیار کیا تاکہ اُسے سب کی خاطر قربان کرے اور سب کی خاطر دُکھ سہکر اور جسم میں اُترکر موت کے وسیلے سے اُسکو جسے موت پر قدرت حاصل تھی یعنے ابلیس کو تباہ کردے اور جو عمر بھر موت کے ڈر سے غلامی میں گرفتار رہے انہیں چھڑا لے (عبرانیوں ۲-۱۴-۱۵)

# مسیح نے کس لئے موت اختیار کی

ہم جو مسیح پر ایمان رکھتے ہیں۔ شریعت کی دھمکی کے مطابق قدیم زمانہ کی مانند موت کے تحت میں نہیں ہیں۔ کیونکہ مسیح جو سب کا منجی ہے۔ ہماری خاطر اپنی جان دے چکا ہے وہ فتوے جو ہمارے خلاف تھا اب موقوف ہوگیا ہے۔ قیامت کے فضل نے فنا کو موقوف اور زائل کر دیا ہے۔ پس ایسے ہم جو مرتے ہیں تو اُس کے فقط یہی معنی ہیں کہ ہمارے اجسام اپنی فانی فطرت کے قانون کے مطابق اسوقت پر جسے خدا نے مقرر کیا ہے منتشر ہو جاتے ہیں۔ تاکہ ایک بہتر قیامت ہمکو حاصل ہو۔ موت ہمارے لئے ہلاکت نہیں بلکہ ہم بیجوں کی مانند بوئے جاتے ہیں تاکہ پھر اُگیں۔ نجات دہندہ کے فضل نے موت کو بیکار کر دیا ہے۔ اسلئے پولوس جو سب کی قیامت کا ضامن بنایا گیا ہے کہتا ہے "کیونکہ ضرور ہے کہ یہ فانی جسم بقا کا جامہ پہنے۔ اور یہ مرنے والا جسم حیات ابدی کا جامہ پہنے اور جب یہ فانی جسم بقا کا جامہ پہن چکیگا اور یہ مرنے والا جسم حیات ابدی کا جامہ پہن چکیگا تو وہ قول پورا ہوگا جو لکھا ہے کہ موت فتح کا لقمہ ہوگئی ہے۔ اے موت تیری فتح کہاں رہی اے موت تیرا ڈنگ کہاں رہا" (کرنتھیوں ۱۵ : ۵۳ سے ۵۵ تک یسعیاہ ۲۵ : ۸) ہوشیع ۱۳ : ۱۴ ) ✢

یہاں ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ پوچھے۔

بالفرض نجات دہندہ کے لئے ضرور تھا کہ اپنے جسم کو سب کے عوض میں موت کے حوالے کرے۔ تو کیوں اُس نے تخلیہ میں اس کام کو نہ کیا۔ اور علانیہ مصلوب ہونا منظور فرمایا۔ عزت کے ساتھ جسم کو اپنے سے علیحدہ کر دینا بہتر ہوتا بہ نسبت ایسی شرمناک موت برداشت کرنے کے ✢

لیکن دیکھو۔ ایسا اعتراض محض ایک انسانی اعتراض ہے۔ کیونکہ جو کچھ نجات

دہندہ نے کیا وہ ایک خدائی فعل تھا اور کئی وجوہات سے اُسکی الوہیت کے لائق تھا ۔
اوّل ۔ وہ موت جو آدمیوں کا حصہ ہے اُن کی فطرت کی کمزوری کے باعث اُنپر غالب آتی ہے ۔ انسان ایک عرصہ سے زیادہ اپنی حالت پر قائم نہیں رہ سکتا بلکہ خاص میعاد پر اس کا جسم منتشر ہو جاتا ہے ۔ اور اسی وجہ سے اس سے پیشتر انسان پر مختلف اقسام کی بیماریاں آتی ہیں یہاں تک کہ کمزور ہوتے ہوتے مرجاتا ہے ۔ لیکن ہمارا خداوند کمزور نہ تھا ۔ وہ خدا کی قدرت اور کلمہ اور خود حیات تھا ۔ پس اگر وہ اپنے جسم کو تحلیہ میں کسی بستر مرگ پر اپنے سے علیحدہ کر دیتا جیسا کہ بنی آدم کا قاعدہ ہے تو لوگ سمجھتے کہ اُس نے یہ اپنی فطرت کی کمزوری کے باعث سے کیا ہے ۔ اور اُس میں اور اور آدمیوں میں کچھ فرق نہیں ۔ لیکن چونکہ وہ حیات اور کلمۃ اللہ تھا اور ضرور تھا کہ سب کی خاطر مرے اس لئے اُسکا جسم اُس کی صحبت سے مضبوط اور طاقتور ہو گیا لیکن چونکہ موت ضرور تھی اس لئے اُس نے جسمانی کمزوری کی راہ سے نہیں بلکہ اوروں کا ظلم اُٹھا کر اپنی قربانی کو چڑھانا پسند کیا ۔ کلمہ کے لئے جو اوروں کی بیماریوں کو دُور کرتا تھا مناسب نہ تھا کہ خود بیماری میں گرفتار ہو ۔ مناسب نہ تھا کہ وہ جسم کمزور ہو جائے جس میں ہو کر اُس نے اوروں کی کمزوریوں کو زور سے بدل ڈالا ۔

پھر اگر کوئی کہے کہ وہ بیماری کو روک سکتا تھا ۔ پس کس لئے موت کو بھی نہ روکا ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ موت سہنے ہی کی غرض سے تو اُس نے جسم اختیار کیا تھا ۔ پھر کیوں موت کو روکتا اور موت کو روکتا تو قیامت بھی رک جاتی ۔ اور علاوہ اس کے موت سے پیشتر بیمار ہونا بھی اُس کے لئے نامناسب تھا ۔ کیونکہ اگر وہ بیماری قبول کر لیتا تو لوگ اُس کے جسم کے ساتھ کمزوری کو منسوب کرتے ۔

لیکن کیا اسے بھوک نہ لگتی تھی ۔ بیشک لگتی تھی کیونکہ بھوک جسم کی خاصیت ہے ۔ لیکن وہ بھوک سے ہلاک نہیں ہو سکتا تھا بسبب اُس خداوند کے جو اس جسم

کو پہنے تھا پس گو وہ سب کا فدیہ دینے کے لئے مرا تاہم اس کا جسم سڑنے نہ پایا۔ بلکہ کل اعضاء و اجزاء کو صحیح و سالم لیکے وہ زندہ ہوا۔ کیونکہ وہ جسم اس کا جسم تھا جو خود حیات ہے +

## (۲۲) مسیح نے کس وجہ سے اوروں کے ہاتھ سے مرنا منظور کیا

شاید کوئی اور کہے کہ اگر وہ یہودیوں کی سازش و بندش سے بچکر اپنے جسم کو مرنیسے محفوظ رکھتا۔ تو اچھا ہوتا۔ لیکن سنو اور سمجھو کہ ایسا کرنا بھی خداوند کی شان کے لائق نہ ہوتا +

کلمۃ اللہ چونکہ خود حیات تھا اسلئے اسکو مناسب نہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے اپنے جسم کو قتل کرتا۔ اسی طرح اسکو یہ بھی مناسب نہ تھا کہ جب اور لوگ اس کو مارنا چاہتے تھے تو انکے ہاتھ سے بچنے کی کوشش کرتا۔ یہی بات اُسی کی ذات کو شایان تھی کہ موت کی پیروی کر کے موت کو نیست کرے۔ پس اُس نے نہ خود بخود جسم کو اتار دیا۔ اور نہ یہودیوں کی سازش سے بچنے کی سعی کی۔ انمیں سے کسی کام سے بھی یہ ثابت نہ ہوا کہ وہ کمزور تھا۔ بلکہ برعکس اسکے یہ ثابت ہوا کہ وہ نجات دہندہ اور حیات کا مالک ہے کیونکہ وہ اس بات کا تو منتظر رہا کہ موت اپنے وقت پر آکر اس کے جسم کو تلف کرے اور جب وقت آگیا تو اُس موت کے سہنے میں جلدی کی جسکے باعث کل دنیا نے نجات پائی +

علاوہ بریں نجات دہندہ اسلئے نہ آیا کہ اپنی طرف سے مرے بلکہ اسلئے کہ اُسمیں کل بنی آدم کی موت پوری ہو۔ پس اسوجہ سے اُس نے تخلیہ میں مرکر اپنے جسم

کسی جنگل یا مکان میں یا اور کہیں عرصہ تک پوشیدہ رہتا اور پھر دفعتاً ظاہر ہو جاتا اور وہ کہتا کہ میں مُردوں میں سے اُٹھایا گیا ہوں تو کیا سب سُننے والے نہ کہتے کہ یہ تو قصہ کہانی ہے ✣

اگر اسکی موت کا کوئی گواہ نہ ہوتا تو کون اُسکی قیامت کو باور کرتا ✣

ضرور تھا کہ قیامت سے پیشتر وہ مرے۔ اگر موت پہلے نہو تو قیامت کیونکر ہو سکتی ہے۔ پس اگر اُس کے جسم کی موت کہیں پوشیدگی میں ہو جاتی اور اُسکا کوئی گواہ نہوتا تو اسکی قیامت بھی مہمل اور محتاج شہادت رہتی ✣

علاوہ اسکے جب کہ اُسنے زندہ ہوکر اپنی قیامت کو مشہور کر دیا تو کیا ضرورت تھی کہ وہ پوشیدگی میں مرتا۔ اُسنے شیاطین کو علانیہ نکالا۔ مادرزاد اندھے کو علانیہ بصارت بخشی۔ پانی کو مے سے تبدیل کر دیا۔ ان سب کاموں کے علانیہ کرنیسے اسکی یہ غرض تھی کہ دُنیا اُسے کلمۃ اللہ تسلیم کرے ✣

جبکہ یہ سب اِس نے علانیہ کیا تو کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنے جسم کو سڑنے کے ناقابل ثابت نہ کرتا۔ تاکہ بنی آدم مان لیں کہ یہی حیات و زندگی ہے۔ اگر اُسکے شاگرد پہلے یہ نہ کہہ سکتے کہ ہمارا خداوند مر گیا تھا تو قیامت کے مسئلہ کی اشاعت کی ہمت اُن کو کہاں سے حاصل ہوتی ✣

جن لوگوں کے سامنے رسولوں نے دلیری سے منادی کی اگر وہ مسیح کی موت کے شاہد نہ ہوتے تو رسولوں کا یہ کلام کیونکر مانا جاتا کہ مسیح مر کر جی اُٹھا ہے ✣

گو اسکی موت اور قیامت سب کے سامنے ہوئی تھی تاہم اُس زمانہ کے فریسی ایمان نہ لائے۔ بلکہ اُنھوں نے اُن لوگوں کو بھی جو اُسکی قیامت کو دیکھ چکے تھے اُسکا انکار کرنے پر مجبور کیا۔ اِس حالت میں اگر وہ پوشیدگی میں مرتا اور جی اُٹھتا تو فریسی ایمان نہ لانے کیلئے اور بھی کتنے ہی بہانے بنا لیتے ✣

موت کی شکست فقط ایک ہی طور پر ثابت ہوسکتی تھی۔ یعنے اس طور پر کہ سب کے روبرو موت مردہ دکھلائی جاتی۔ اور اپنے جسم کو سڑنے کے ناقابل ثابت کر کے وہ علانیہ دکھلادیتا کہ موت بالکل بیکار ہوگئی ہے ÷

## (۲۴) کس وجہ سے مسیح نے اپنی موت کا طریق آپ نہ تجویز کیا

مناسب ہے کہ بعض اور اعتراضوں کے جواب بھی ہم پہلے سے تحریر کردیں۔ ایک اعتراض یہ ہے۔ بالفرض یہ ضرور تھا کہ مسیح سب کے سامنے مرے تاکہ اسکی قیامت پر سب ایمان لے آویں۔ تاہم بہتر ہوتا اگر وہ اپنے لئے موت کا کوئی باعزت طریقہ تجویز کرتا اور صلیب کی بے عزّتی اپنے اوپر نہ لاتا لیکن اگر وہ ایسا کرتا بھی تو لوگ ضرور اُسپر شک کرتے اور کہتے کہ وہ فقط ایک ہی قسم کی موت کے مقابلہ میں زبردست ہے یعنے اُس موت کے جسکو اُسنے خود اپنے واسطے تجویز کیا۔ یوں بعضوں کو اُسکی قیامت پر ایمان لانیکا عذر ملجاتا پس اس وجہ سے اس نے اپنی مرضی کے مطابق مرنا منظور نہ کیا بلکہ غیروں کی سازش اور بندش کو اپنے خلاف کامیاب ہونے دیا۔ تاکہ موت کو خواہ وہ کسی طریقہ اور صورت میں آوے بالکل موقوف کردے ہمت والا پہلوان بباعث اپنی عقل اور جرأت کے یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ میں فلاں شخص کے خلاف زور آزمائی کرونگا اور فلاں کے خلاف نکلوں گا۔ اگر وہ ایسا کرے تو فوراً اُس کی جرأت پر لوگوں کو شک ہوجاتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے مخالف کا انتخاب ناظرین کے (خاصکر جب وہ اُس سے مخالفت رکھتے ہوں) سپرد کردیتا ہے اور جو کوئی اس کے سامنے لایا جاوے اُسکے ساتھ لڑکر اور اُسپر فتح پاکر ثابت کردیتا ہے کہ میں سب سے زورآور

ہوں۔ اسی طرح مسیح نے جو سب کی حیات اور ہمارا خداوند اور منجّی ہے اپنے لئے کوئی خاص موت پسند نہ کی مبادا لوگوں کو خیال گذرے کہ یہ کسی دوسری قسم کی موت سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہے۔ بلکہ اس نے صلیب پر مرنا منظور فرمایا اور دوسروں کے مارنے سے مرا۔ اُس نے اپنے تئیں دشمنوں کے حوالہ کیا اور اس موت سے مرا جو بڑی خوفناک اور بیعزتی کی موت سمجھی جاتی تھی۔ اور جس سے سب بہت ہی ڈرتے اور بچتے تھے اور اس خوفناک موت پر غالب آکر اُسنے ثابت کیا کہ میں حیات ہوں یوں اُس نے موت کی طاقت کو آخرکار زائل کر دیا ؛

پس دنیا میں ایک عجیب اور حیرت افزا معاملہ ہوا ہے۔ دشمنوں نے مسیح کو بعزتی کی موت سے مارا لیکن وہ بیعزتی کی موت اُسکے لئے فتح اور عزت کا نشان بنگئی۔ وہ یوحنا کی طرح نہ مرا جس کا سر قلم کیا گیا۔ وہ یشعیاہ کی طرح نہ مرا۔ جو آری سے چیرا گیا بلکہ موت میں بھی اُسنے اپنے جسم کو تقسیم نہونے دیا۔ تاکہ اُنکو جو کلیسیا کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں کوئی بہانہ نہ ملے ؛

## (۲۵) کس وجہ سے مسیح صلیب پر مرا

مذکورہ بالا بیانات اور جوابات ہمنے اُن لوگوں کے واسطے تحریر کئے ہیں جو کلیسیا کے باہر ہیں اور مختلف قسم کے دلائل اور اعتراض ایجاد کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی مسیحی بحث کی نہیں بلکہ تعلیم پانے کی غرض سے دریافت کرے کہ مسیح کیوں صلیب پر مرا اور کیوں اُسنے مرنیکا کوئی دوسرا طریق پسند نکیا تو اُسکو واضح ہو کہ ہماری خاطر۔ مسیح کو مناسب تھا کہ خاص اسی طور پر اپنی جان دے خداوند نے بڑی عظمت کے ساتھ اس موت کو ہماری خاطر سہا۔ وہ اس لئے آیا کہ اُس لعنت کو اُٹھائے جو ہمارے اوپر تھی ؛ پس اگر وہ اُس موت کو نہ سہتا جو اُس لعنت کا نتیجہ تھی تو کس طرح ہماری خاطر لعنتی

کو نہ اُتارا۔ وہ تو خود حیات تھا پس اِس وجہ سے از خود موت کا مطیع نہو سکتا تھا۔ لیکن اورونکے ہاتھ سے موت کو لے لینا اُسنے منظور فرمایا۔ تاکہ اپنے جسم میں موت کو لیکر اُسے بالکل نیست نابود کردے +

دوم۔ ذیل کی وجوہات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس لئے خداوند کے جسم کا اِس طور پر خاتمہ ہؤا۔ جسم کی قیامت کا جسے وہ پورا کرنا چاہتا تھا خداوند کو خاص خیال تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مُردوںمیں سے زندہ ہو کر ظاہر کرے کہ میں نے اپنی قیامت میں سے موت کو جیت لیا ہے۔ میری قیامت فتح کا ثبوت و نشان ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ ظاہر کرے کہ ہلاکت و فنا مٹا دیگئی ہیں۔ اور آیندہ بنی آدم کے اجسام پر غالب نہ آوینگی۔ ہلاکت کے موقوف کئے جانے اور سب کی قیامت کے ثبوت میں اسنے اپنے جسم کو سڑنے سے بچایا +

پس اگر اِس کا جسم مریض ہو جاتا اور اسوجہ سے سب کے سامنے کلمۃ اللہ یُوں رحلت کرتا تو محض نامناسب ہوتا۔ کیا ممکن تھا کہ جسنے اوروں کے امراض کو دُور کیا اپنی مرض کیطرف سے غافل ہو کر اپنے جسم کو برباد ہونے دیتا۔ ہمیں کیونکر یقین ہوتا کہ اِس شخص نے دوسروں کی کمزوریوں کو دور کیا۔ جبکہ اُسکے اپنے جسم کو کمزوری میں مبتلا دیکھتے۔ ایسی حالت میں ضرور ہوتا کہ اُسے بیماری کے مقابل میں کمزور دیکھکر لوگ اسپر ہنستے۔ یا کہتے کہ یہ شخص اپنے جسم پر رحم نہیں کرتا تو کیونکر دوسروں پر رحم کرے گا۔ یا اگر اِس قابل تھا اور ایسا نہ کرتا تھا تو لوگ کہتے کہ یہ شخص نہ اپنے جسم سے محبت رکھتا ہے نہ اوروں سے +

## (۲۳) مسیح نے علانیہ موت کیوں گوارا کی

پھر فرض کرو کہ بغیر کسی مرض یا درد کو سہے مسیح کا جسم تخلئے میں مرنے کے بعد

بن سکتا (گلتیوں ۳ : ۱۳) اور وہ موت صلیبی موت تھی۔ کیونکہ لکھا ہے جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے (استثنا ۲۱ : ۲۳) +

پھر اگر خداوند کی موت سب کا فدیہ ہے اور اُسکی موت سے جدائی کی دیوار جو بیچ میں تھی ڈھائی گئی ہے (افسیوں ۲ : ۱۴) اور غیر اقوام ایمان کیطرف بلائی گئی ہیں تو اگر وہ مصلوب نہوتا تو کس طرح ہمکو بلا سکتا۔ کیونکہ فقط صلیب ہی پر آدمی اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے مر سکتا ہے۔ اس وجہ سے مناسب تھا کہ خداوند صلیبی موت کو سہکر ہاتھوں کو پھیلائے۔ ایک ہاتھ سے وہ اپنے قدیم لوگوں کو بلاتا تھا اور دوسرے سے غیر اقوام کو تاکہ دونوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ یہ اُسنے خود بتلایا اور ظاہر کیا کہ کس موت سے میں سب کا فدیہ دونگا۔ "میں اگر زمین سے اونچے پر چڑھایا جاؤنگا تو سب کو اپنے پاس کھینچونگا (یوحنا ۱۲ : ۳۲)

## (۲۶) مسیح کس لئے تیسرے روز مُردوں میں سے جی اُٹھا

پس بلحاظ ہمارے فائدے کے مسیح کا صلیب پر مرنا عین مناسب اور لائق تھا اسکا سبب بھی ہر طرح سے معقول تھا۔ اور ایسے دلائل بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بغیر صلیبی موت کے سب کی نجات کا کام پورا ہو سکتا تھا +

وہ پوشیدگی میں نہ مرا۔ بلکہ صلیب پر علانیہ اور اُسنے خالق ہوکر اپنے آپ کو اپنی کل مخلوقات پر ظاہر کر دیا۔ اس نے اپنے جسم کو بعد موت کے دیر تک مردہ حالت میں رہنے نہ دیا۔ بلکہ فوراً تیسرے دن اُسے اُٹھایا۔ اور یوں اپنے جسم کو سڑنے اور دُکھ سہنے کے ناقابل بنا کر موت پر فتحیابی کی نشانی لے گیا +

# (۲۷) مسیح کی موت سے موت مغلوب ہوئی

اس کا کہ موت موقوف ہوئی اور صلیب نے اُسپر فتح پائی - اور اسکا کہ موت میں اب کوئی اصلی قوت نہیں رہتی بلکہ اب وہ بالکل مُردہ ہے یہ ثبوت اور نشان ہے کہ مسیح کے شاگرد اس کو بالکل حقیر سمجھتے ہیں - اور وہ اسپر حملے کرتے ہیں اور مطلق اُس سے نہیں ڈرتے - بلکہ صلیب کے نشان اور مسیحی ایمان کی تاثیر اور قوت سے وہ اُس کو مُردہ ہی جانکر پامال کرتے ہیں - قدیم زمانہ میں یعنے ہمارے منجّی کے ظہور سے پیشتر مقدس لوگ بھی موت سے خوف کرتے تھے اور دستور تھا کہ مردوں کے لئے یوں غم کیا جاتا تھا کہ گویا وہ بالکل ہلاک و معدوم ہو گئے ہیں (دیکھو ایوب ۱۸ : ۱۴ زبور ۵۵ : ۴ ایضاً ۸۸ : ۱۰ الخ ایضاً ۸۹ : ۴۷ یسعیاہ ۳۸ : ۱۸) لیکن اب منجّی کے جسم کے اُٹھنے کے بعد موت خوفناک نہیں رہی - مسیح پر ایمان لانے والے موت کو بالکل حقیر سمجھکر پامال کرتے ہیں - وہ اپنے مسیحی ایمان سے انکار کرنے کی نسبت موت کو زیادہ پسند کرتے ہیں - کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ موت ہمیں ہلاک نہیں - بلکہ زندگی میں داخل کرتی ہے اور بذریعہ قیامت کے ہم سڑنے کے ناقابل ہو جاتے ہیں - اب چونکہ موت کے بند کھولے گئے ہیں (اعمال ۲ - ۲۴) شیطان جو قدیم سے موت کو دیکھکر خوش ہؤا کرتا تھا اکیلا مُردہ اور موت کے بند میں گرفتار ہے - ثبوت اِسکا یہ ہے کہ بنی آدم مسیح پر ایمان لانیسے پیشتر موت کو ہیبت ناک سمجھتے اور اُس سے بیدل ہوتے تھے - لیکن ایمان اور تعلیم کے دائرے کے اندر آکر وہ موت کو اسقدر حقیر گردانتے ہیں کہ جوش میں اسکی طرف جھپٹتے ہیں - یوں وہ اس امر کے گواہ بنتے ہیں کہ منجّی نے موت کو قیامت سے فتح کر لیا ہے ٭

بچپن میں بھی وہ مرنے کے لئے جلدی کرتے ہیں - اور نہ فقط مرد بلکہ عورتیں

ناچیز جانکر بباعث مسیح کے موت کے مقابلہ میں بزدل نہیں رہتا ✚

جس ظالم باغی کا ذکر ہم پچھلے باب میں کر چکے ہیں اگر کوئی اُسے بندھا ہؤا دیکھا چاہے تو اُسکے فاتح کے علاقہ اور سلطنت میں جاوے وہاں اُسے جو پہلے خوف کا باعث تھا کمزور اور لاچار دیکھیگا اسی طرح اگر کوئی باوجود اتنے دلائل اور شہیدوں کی شہادت کے اور مسیح کے مشہور شاگردوں کو ہر روز موت پر ہنستے دیکھنے کے بھی یقین نہیں لایا۔ اور ابھی تک اُسے شک ہے کہ موت موقوف ہوئی یا نہیں ہوئی اور اِس کا خاتمہ نہیں ہؤا تو اُسکے لئے یہی بہتر ہے کہ اِس بڑے معاملہ پر تعجب ہی کرتا رہے۔ لیکن مناسب نہیں کہ کوئی بے ایمانی میں ضدّی ہو جائے۔ اور ایسے صریح واقعات سے غافل رہے۔ جو کوئی ظالم باغی کو دیکھا چاہے اُسکے فاتح کے ملک میں جاوے اِسی طرح جو کوئی موت کو مغلوب دیکھا چاہے مسیح پر ایمان لاوے اور اُسکی تعلیم کو قبول کرے وہ ضرور موت کی کمزوری اور صلیب کو اُسپر فتحمند دیکھیگا۔ کیونکہ بہتوں نے جو پہلے ایمان نہ لائے اور ہنستے تھے جب ایمان کو قبول کر لیا تو موت کو ایسا حقیر سمجھا کہ خود مسیح کے نام پر جان دے دی ✚

## (۲۹) صلیب کے نشان اور مسیح کے ایمان کا موت پر غالب آنا

پس جبکہ صلیب کے نشان اور مسیح پر ایمان لانے سے موت پامال کیجاتی ہے تو عین حق و انصاف کی رو سے عیاں ہے کہ فقط مسیح ہی ہے جس نے موت پر فتح پائی ہے۔ اور اُسکی طاقت کو ختم کر دیا ہے۔ اور اگر موت پہلے قوی اور بوجہ اپنی قوت کے خوفناک تھی اور اب منجی کے اِس دُنیا میں رہنے اور موت کے بعد جی اُٹھنے

کے باعث حقیر ہوگئی ہے تو ظاہر ہے کہ اُسی مسیح نے جو صلیب پر چڑھا موت کو نکما اور مغلوب کر دیا ہے +

جب رات کے بعد آفتاب نکلتا ہے اور کل کرۂ زمین روشن ہو جاتا ہے تو کوئی شک نہیں کرتا کہ یہ تمام روشنی آفتاب کی ہے۔ سب مان لیتے ہیں کہ آفتاب نے تاریکی کو دور کر کے کل اشیاء کو منوّر کر دیا ہے۔ اسی طرح چونکہ مسیح کے نجات بخش جسمانی ظہور اور صلیب پر جان دینے کے بعد سے آجتک موت بالکل حقیر اور پست ہوگئی ہے تو یہ خوب ظاہر ہے کہ وہ نجات دہندہ ہی تھا جسنے جسم میں ظاہر ہو کر موت کو نیست و نابود کیا اور اپنی فتح کو اپنے مومنوں کے افعال و اقوال سے ہمیشہ ظاہر کرتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے آدمی جو اپنی فطرت سے کمزور ہیں موت کے اوپر خود پل پڑتے ہیں جسم کے اُس انتشار اور سڑنے سے جو موت کا نتیجہ ہے مطلق نہیں ڈرتے برزخ میں اُترنے سے اُنکو خوف نہیں آتا اور موت کے عذاب سے بچنے کی کوشش تو کیسی برعکس ان کے رُوحانی جوش میں اُسے آپ اپنے اوپر برانگیختہ کرتے ہیں +

مسیح کی خاطر اس زندگی کی نسبت موت اُن کو زیادہ پسند ہے مرد عورتیں اور کم سن بچے مسیحی دین کی خاطر موت کا مقابلہ کرتے بلکہ موت پر جھپٹتے ہیں۔ باوجود ایسی شہادتوں کے کون ایسا سادہ لوح یا بے ایمان یا خفیف العقل ہے کہ تسلیم نکرے کہ موت پر ایسی فتح فقط اُس مسیح کی طرف سے عنایت ہوتی ہے۔ جسپر وہ گواہی دیتے ہیں وہی موت کو اُن لوگونکے حق میں جو اُسپر ایمان لائے اور اُس کی صلیب کے نشان کو اپنے اندر رکھتے ہیں کمزور کر دیتا ہے +

سانپ ایک بڑا تند اور خوفناک جانور ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اُس کو بے خوف پامال کر رہے ہیں تو ہمیں فوراً یقین ہو جاتا ہے کہ وہ بالکل کمزور ہو گیا ہے یا مر گیا ہے اگر کوئی لڑکوں کو شیر ببر پر ٹھٹھا کرتے ہوئے دیکھے تو ضرور کہے گا یا تو یہ

بھی بذریعہ ریاضت کے اپنے کو موت کے مقابلہ میں مضبوط بناتی ہیں۔ موت ایسی کمزور ہوگئی ہے کہ عورتیں بھی جو پہلے اسکے فریب میں آجاتی تھیں اب اُسے مردہ اور قوّت سے محروم سمجھکر اسپر ٹھٹھا کرتی ہیں +

فرض کرو کہ کوئی ظالم باغی ہے جس کو کسی حقدار اور سچے شہنشاہ نے مغلوب کرلیا ہے اور ہاتھ پاؤں باندھکر ایک جگہ ڈال دیا ہے جہاں سب اُسے دیکھنے والے اُس پر ہنستے ہیں مارتے اور بُرا بھلا کہتے ہیں۔ کوئی اُسکے غصّہ اور ظلم سے آپ خوف نہیں کھاتا۔ کیونکہ حقدار پادشاہ اُسپر فتح پاچکا ہے۔ اسی طرح نجات دہندہ نے صلیب پر سے موت کو فتح کرکے اُسپر شکست کا داغ لگا دیا ہے۔ اُس نے اُسکے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے ہیں۔ پس اب مسیح کے سب پیرو اسکے پاس سے گذرتے ہوئے اسکو پامال کرتے ہیں۔ اور مسیح کے گواہ ہوکر موت پر ہنستے اور تمسخر کرتے ہیں۔ اور ان الفاظ کو زبان سے کہتے ہیں جو موت کے خلاف لکھے ہیں "اے موت تیری فتح کہاں۔ اے برزخ تیرا ڈنک کہاں"

(ہوسیع ۱۳ : ۱۴) +

## (۲۸) موت پر مسیح کی فتح

پس موت کی کمزوری کا کیا یہ کوئی چھوٹا ثبوت ہے۔ یا اس فتح کا جو مسیح نے موت کے خلاف حاصل کی ہے یہ کوئی ادنیٰ نشان ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مسیح میں ہونیکے باعث اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کی امید رکھتے ہیں اور بذریعہ ریاضت اپنے تئیں موت کیلئے طیار کرتے ہیں +

موت سے خوف کھانا اور جسم کے انتشار سے ڈرنا انسان کی فطرت میں ہے لیکن تعجب اس میں ہے کہ جو کوئی صلیبی ایمان سے ملبس ہے وہ اُس طبعی حرکت کو بھی

شیر مردہ ہے یا بالکل کمزور ہے پس جب ہم دیکھیں کہ مسیح کے پیرو موت کو حقیر جانتے اور اُسکی کچھ پروا نہیں کرتے تو کیونکر یقین نکریں کہ مسیح کی موت میں موت مغلوب ہوئی وہ انتشار اور سڑنا جو موت کا نتیجہ تھا اب موقوف ہو گیا ہے ÷

## (۳۰) مسیح کی قدرت اور اُسکے کام اُسکی قیامت کا ثبوت ہیں

اس امر کا ثبوت کہ موت موقوف کیگئی اور خداوند کی صلیب موت پر فتح کا نشان ہے گذشتہ بابوں میں دیا گیا ہے۔ لیکن خداوند کے جسم کی جو سب کا منجی اور حقیقی زندگی ہے لازوال قیامت کا ثبوت بعض صریح واقعات سے نکلتا ہے جن کی شہادت روشن دماغ لوگوں کے لئے لفظوں کی شہادت سے قوی ہے ÷

یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ موت موقوف ہوئی اور مسیح کی مدد سے سب اُس کو پامال کرتے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ خود مسیح نے اپنے جسم میں اُس کو پامال اور نیست کیا ہو جب اُس نے موت کو مارا تو فقط یہی باقی تھا کہ وہ اپنے جسم کو اُٹھاوے اور اُسے اپنی فتح کا نشان بنا کر سب کو دکھا دے اگر خداوند کا جسم اُٹھایا نہ جاتا تو کیونکر معلوم ہوتا کہ موت مغلوب ہوئی ہے۔ لیکن اگر اُس کی قیامت کا یہ ثبوت کسی کے لئے کافی نہ ہو تو ذیل کے واقعات پر غور کرے ÷

جب آدمی مر گیا تو بعد مرنے کے کچھ کر نہیں سکتا اس کا اثر قبر تک جاتا ہے۔ اور وہاں ختم ہو جاتا ہے ایسے کام اور افعال جنکا اثر آدمیوں پر ہو سکتا ہے فقط زندوں ہی کے بس میں ہیں اب جو کوئی چاہے دیکھے اور انصاف کرے اور جو کچھ نظر آتا ہے اُس کے مطابق فیصلہ کرے ÷

ہمارا مسیح بڑے بڑے کام کر رہا ہے۔ وہ ہر روز ہزاروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یونانی اور اجنبی سب کے سب اُسپر ایمان لاتے اور اُسکی تعلیم کو قبول کرتے جاتے ہیں۔ پس کیا کوئی اس میں شک کر سکتا ہے کہ مسیح مردوں میں سے اُٹھا ہے۔ کون یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ مسیح زندہ نہیں یا یہ کہ وہ خود حیات کا سرچشمہ نہیں۔ کیا مردے میں قوت ہے کہ زندونکے دلوں کو قابو کرے اور اُن کو آمادہ کرے کہ اپنے آبائی قوانین کو ترک کر کے مسیح کی تعلیم کی تعظیم کریں۔ یا فرض کرو کہ اُسکا کام اب بند ہو گیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ موت انسان کے کام کو بند کر ہی دیتی ہے۔ تو یہ قوت اُس میں کہاں سے آئی کہ زندونکے افعال کو روکے۔ کیونکہ کچھ شک نہیں کہ وہ زانیونکو زنا کرنے سے روکتا ہے۔ خونیوں کو خون کرنے سے باز رکھتا ہے۔ ناراستوں کو طمع سے بچاتا ہے اور بے دینوں کو دیندار بناتا ہے۔ یا اگر وہ زندہ نہیں ہوا بلکہ اب تک مردہ ہے تو کیونکر جھوٹے معبودوں کو اُنکے درجہ سے گرا کر تباہ کر دیتا ہے اور کس ذریعہ سے شیاطین کی پرستش کو نیست و نابود کر رہا ہے۔ کیونکہ جہاں مسیح کا چرچا ہے اور اُسکا ایمان پایا جاتا ہے وہاں سے بت پرستی دور ہو جاتی ہے۔ شیاطین کے سب فریب ٹوٹ جاتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک اُسکا زور ہے کہ شیاطین اس کا نام سننے کی تاب نہ لا کر بھاگ جاتے ہیں ✠

یہ تو عجیب ہنسی کی بات ہو گی اگر کوئی کہے کہ وہ شیاطین جن پر وہ جبر کرتا ہے اور بت جن کو وہ نیست و نابود کرتا ہے زندہ ہیں۔ لیکن وہ جو اُن کو نکالنے پر قادر اور اپنی قوت سے اُن کو نابود کر سکتا ہے اور جس کو وہ سب خدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں مردہ ہے ✠

---

# (۳۱) مسیح کی قیامت کے سبب سے دیوتاؤں اور شیاطین کا مغلوب ہونا

جو لوگ مسیح کی قیامت کو نہیں مانتے وہ اپنے دعوے کو اس صورت میں خود باطل کرتے ہیں کہ جو جنّوں اور دیوتاؤں کو پوجتے ہیں اُن کو اُس مسیح کا زیر کرنے والا ثابت نہیں کرتے جو اُن کے نزدیک مُردہ ہے بلکہ برعکس اسکے کہہ سکتے ہیں کہ مسیح اُنہی کو مردہ ثابت کرتا ہے۔ مردہ سے تو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ مگر مسیح ہر روز بڑے بڑے کام کرتا ہے وہ آدمیوں کو دینداری اور نیکی کی طرف راغب کرتا ہے۔ اُن کو بقا کی تعلیم دیتا اور سکھاتا ہے کہ آسمانی چیزوں کی تلاش کریں۔ وہ باپ کی پہچان بخشتا اور موت کے برخلاف آدمی کو مضبوط کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ہر مومن پر ظاہر کر کے بت پرستی کی بیدینی کو دنیا سے زائل کر رہا ہے۔ بے ایمانوں کے فرضی دیوتا اور جن ایسے کام نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ تو مسیح کے سامنے مُردہ ہو جاتے ہیں۔ اُن کا سارا دکھلاوا بیکار اور نکمّا نکلتا ہے۔ حالانکہ صلیب کے نشان کی تاثیر سے تمام جادو ٹوٹ جاتا اور سحر باطل ہو جاتا ہے۔ اُسکے زور کے مقابل بت پرستی بند ہو جاتی ہے۔ اور تمام ناروا اور خلاف عقل عیش و عشرت موقوف ہو جاتی ہے۔ ہر شخص زمین سے آسمان کی طرف دیکھتا ہے +

پس اب ہم کس کو مُردہ کہیں۔ کیا مسیح کو جو یہ سب کچھ کرتا ہے۔ کام کرنا تو نہ مُردوں کی خاصیّت ہے نہ اُس وجود کی جو جنّوں اور بُتوں کی طرح بے تاثیر اور بے جان پڑا رہتا ہے +

ابن اللہ تو زندہ اور مؤثر ہے (عبرانیوں ۴ : ۱۲) وہ ہر روز کام کرتا اور سبکو

نجات بخشتا ہے۔ موت ہر روز کمزور ٹھیرائی جاتی ہے۔ بت اور شیاطین مرتے جاتے ہیں۔ اور بمشکل ہی اب کسی کو مسیح کے جسم کی قیامت پر شک باقی ہوگا +

اب جو کوئی خداوند کے جسم کی قیامت پر شک کرتا ہے کلمۃ اللہ اور کلمۃ اللہ کی قوت اور خدا کی حکمت کو نہیں جانتا ہے۔ کیونکہ جب اُس نے جسم لیا اور جسم لینے کے نتائج کو بھی اختیار کر لیا تو اُس جسم کا کیا حال ہونا چاہیئے تھا۔ اُس جسم کی کیا حالت ہونی تھی بعد اس کے کہ کلمۃ اللہ نے اُسے اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ مرنا تو اُسے لازم تھا کیونکہ وہ جسم فانی تھا اور سب کے بدلے موت کے حوالہ کیا گیا تھا۔ کہ اسی غرض سے منجی نے اُس کو اپنے لئے طیار کیا تھا۔ لیکن برعکس اس کے وہ موت کی حالت میں ہمیشہ نہ رہ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ حیات کا مسکن بنگیا تھا۔ پس فانی ہونے کے سبب سے تو وہ مر گیا لیکن اُس حیات کے باعث جو اُس میں تھی۔ پھر زندہ بھی ہو گیا۔ اور اُس کے کام اُس کی قیامت کا ثبوت ہیں +

## (۳۲) مسیح کی قیامت کا ثبوت اُس کی تاثیر سے

فرض کرو کوئی کہے کہ مسیح کو اب میں دیکھ نہیں سکتا اس لئے اُسکی قیامت کو بھی تسلیم نکروں گا۔ تو اس دلیل کے مطابق لازم آوے گا کہ فطرت کی روش بھی تسلیم نہ کیجاوے۔ خدا کی عین صفت یہی ہے کہ غیر مرئی ہو مگر اپنے کاموں سے پہچانا جائے اگر مسیح کا کام ظاہر نہوتا تو اُسے اختیار تھا کہ اُسکی قیامت کو بھی نہ مانتا۔ لیکن اب تو اُس کے کام باواز بلند پکار کر ثبوت اُسکی قیامت کا دے رہے ہیں +

پس اب مخالف کیوں جان بوجھ کر اُس کی ایسی مسلم الثبوت قیامت کا انکار کرتے

ہیں۔ اگر مخالفوں کی عقل جاتی بھی رہی ہو تاہم حواس خمسہ کے ذریعہ سے مسیح کی خدائی کی یقینی طاقت کا محسوس کرنا ممکن ہے ٭

اندھا آدمی گو آفتاب کو دیکھ نہیں سکتا تاہم بذریعہ اُس کی حرارت کے جانتا ہی کہ آفتاب زمین کے اوپر ہے اسی طرح ہمارے مخالفوں کو لازم ہے کہ گو وہ سچائی کیطرف سے نابینا ہونیکی وجہ سے ایمان نہ بھی لائیں تاہم اُسکی تاثیر کو جو مومنوں میں ظاہر ہے دیکھکر مسیح کی خدائی کے انکار سے توبہ کریں اور اُس کی قیامت کو تسلیم کرلیں ٭

کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر مسیح مُردہ ہوتا تو نہ شیاطین کو نکال سکتا نہ بُتوں کو تباہ کر سکتا۔ کیا شیاطین مُردہ کے حکم کو مانتے؟ پس جبکہ وہ اُس کے نام کی تاثیر سے خارج کئے جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ مُردہ نہیں ہے۔ شیاطین تو غیبی معاملات سے بھی واقف ہیں اور اس لئے اُن چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں جن تک آدمی کی بصارت کی پہنچ نہیں۔ پس اُن کو خوب معلوم ہے کہ آیا مسیح مُردہ ہے یا زندہ۔ اگر وہ اُس کو مُردہ جانتے تو ہرگز اسکی اطاعت نہ کرتے لیکن اب وہ باتیں جن کو بے دین آدمی تسلیم نہیں کرتے شیاطین تک تسلیم کر رہے ہیں۔ شیاطین جانتے ہیں کہ وہ خدا ہے اسی وجہ سے وہ اس سے بھاگتے ہیں اور اُس کے حضور گر پڑتے ہیں۔ جب کہ وہ ساتھ جسم کے اس دنیا میں موجود تھا تو وہ یوں پکارا کرتے تھے " ہم جانتے ہیں کہ تو کون ہے۔ تو خدا کا قدوس ہے " (لوقا ۴: ۳۴) " اے خدا تعالےٰ کے بیٹے مجھے تجھ سے کیا کام۔ میں تیری منت کرتا ہوں مجھے نہ ستا (مرقس ۵: ۷) ٭

پس شیاطین کے اقرارات اور روزمرہ کے واقعات کی گواہی سے ظاہر ہے (کون ایسا بے شرم ہے کہ اب بھی انکار کی جرأت کرے) کہ منجی نے اپنے جسم کو مرنیکے بعد زندہ کیا ہے کہ وہ فی الحقیقت ابن اللہ اور باپ کی ہستی میں سے ہستی رکھنے والا۔

یعنے اُس کا اپنا کلمہ اور حکمت اور قوت ہے۔ اِن آخری دنوں میں اُس نے سب کی نجات کے لئے جسم لیا اور باپ کی واقفیت دنیا کو بخشی۔ اُس نے موت کو نیست کر کے بذریعہ قیامت کے وعدہ کے سب کو بقا کا فضل مفت بخشا اُس نے پہلے اپنے جسم کو زندہ کر کے قیامت کا پہلا پھل دکھلایا اور صلیب کو موت اور فنا کی شکست کا نشان اور اپنی فتح کا جھنڈا قرار دیا +

## (۳۳) کلمۃ اللہ کا جسم میں ظاہر ہونا خلاف عقل نہیں

ہمیں یونانیوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ اِن باتوں پر تمسخر کرتے ہیں جو قابلِ تمسخر نہیں اور اپنی بے شرمی کی خبر نہیں لیتے جسکا لکڑی اور پتھر کے بتوں کی صورتوں میں صریحًا اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارا عقیدہ دلائل سے خالی نہیں اِس لئے ہم انکو ایسی معقول دلیلوں سے قائل کرینگے جو بالخصوص دیکھی ہوئی چیزوں سے لی گئی ہیں۔ پس اول ہم پوچھتے ہیں کہ ہمارے مسئلہ میں ایسی کونسی بات ہے جس پر کوئی تمسخر کر سکے +

کیا ہمارا یہ دعوی کہ کلمۃ اللہ جسم میں ظاہر ہوا ہے اُن کو بُرا معلوم ہوتا ہے + اگر وہ حق سے محبت رکھتے ہیں تو اُنھیں ضرور ماننا پڑے گا کہ اِس امرِ حق میں کوئی ایسی بات نہیں جو عقل کے خلاف ہو +

اگر وہ کلمۃ اللہ کے وجود کا ہی انکار کریں تو یہ انکار بھی فضول اور غلط ہے اور وہ جس بات کو نہیں جانتے اُسپر ہنستے ہیں۔ لیکن اگر وہ کلمۃ اللہ کے وجود کے قائل ہیں اور اُسکو عالم کا حاکم مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ خدا باپ نے اُسی کی معرفت

مخلوقات کو خلق کیا اور وہی عالم کا نور ہے۔ اگر انکو یہ ماننا منظور ہے کہ زندگی اُسمیں ہے اور وہ سب چیزوں پر حکومت کرتا ہے اور وہ اپنے انتظام و قدرت کے کاموں کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے اور باپ اُس کے ذریعہ سے۔ تو اسکے تجسّم کو مان لینا اُن کے لئے چنداں مشکل نہ ہونا چاہئے ÷

یونانی فیلسوف کہتے ہیں کہ کل عالم ایک جسم ہے۔ انکا یہ دعویٰ صحیح ہے کیونکہ اس جسم کے اجزا کو ہم اپنے حواس خمسہ سے محسوس کر سکتے ہیں۔ پس اگر کلمتہ اللہ اس بڑے عالم میں جو ایک جسم ہے سکونت رکھتا ہے اور اُسکے کل اور ہر جزو میں بھی موجود ہے تو ہمارے اس دعویٰ میں کہ وہ ایک انسانی جسم میں آیا کونسی بات حیرت کی یا خلاف عقل ہے۔ اگر اُسکا ایک انسانی جسم میں سکونت کرنا محال ہے تو یہ بھی محال ہے کہ وہ کل عالم میں ہو کر اُسکو منوّر کرتا اور اپنے انتظام سے کل اشیاء کو حرکت دیتا ہے۔ کیونکہ عالم یونانیوں کے اپنے ہی عقیدے کے موافق ایک جسم ہے۔ اگر عقل اسکو تسلیم کر سکتی ہے کہ کلمتہ اللہ کل عالم میں ہے اور کل عالم میں پہچانا جاتا ہے تو اسکو بھی تسلیم کر سکتی ہے کہ اُسنے اپنا ظہور ایک ایسے انسانی جسم میں دیا جسکو اُس نے اپنے نور و طاقت سے منوّر و قوی کیا۔ کیا نسل انسانی کل عالم کا ایک جزو نہیں ہے پس اگر عالم کے ایک حصہ کے لئے اسکا مظہر بنانا نامناسب ہے تو کل عالم کو اسکا مظہر سمجھنا اس سے زیادہ نامناسب ہے ÷

## (۴۴) کلمتہ اللہ کا ظہور کائنات میں اور جسم میں

آدمی کی قوت کل جسم میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی کہے کہ پاؤں کی اُنگلی میں اس قوت کا ذرا سا حصہ بھی نہیں ہے تو ہم ضرور اُس کو دیوانہ سمجھیں گے۔ کسی صفت کو کل کے ساتھ منسوب کرنا اور جزو کے ساتھ اس کو منسوب کرنے سے انکار کرنا خلاف

عقل ہے۔ اسی طرح کلمۃ اللہ کو کل عالم میں حاضر تسلیم کر لینا اور ساتھ ہی اسکے یہ کہنا کہ اُسکا ایک انسانی جسم میں سکونت کرنا محال ہے عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔ لیکن شائد کوئی کہے کہ انسان ایک مخلوق ہے اور اس وجہ سے نجات دہندہ انسانی جسم میں ظاہر نہو سکتا تھا۔ اگر ہم اس اعتراض کو صحیح مان لیں تو یہ بھی مان لینا پڑیگا کہ کلمۃ اللہ کل عالم میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کل عالم بھی مخلوق ہے۔ کلمۃ اللہ عالم کو عدم سے وجود میں لانیوالا ہے جس شے کا اطلاق کل کے ساتھ ہے اُسکا اطلاق جزو کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ عالم کا جو کل ہے انسان صرف ایک جزو ہے۔ پس کسی صورت سے کلمۃ اللہ کا انسانی جسم میں آنا محال نہیں ٹھیر سکتا۔ کیونکہ ہر شے اُسی سے حرکت پاتی اور منوّر ہوتی ہے۔ سب کی زندگی اُس سے اور اُسمیں ہے۔ اور یہ کسی یونانی نے خود کہا ہے کیونکہ اُسی میں ہم جیتے اور چلتے پھرتے اور موجود ہیں +

اگر وہ چاہتا تو اپنے آپ کو اور باپ کو آفتاب یا ماہتاب میں آسمان یا زمین مٹی پانی یا آگ میں ظاہر کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ ہر شے میں حاضر و ناظر اور ہر کل اور جزو میں موجود ہے۔ اور بن دیکھے اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اُسنے یہ پسند کیا کہ ایک جسم میں بصورت انسان ظاہر ہو اور اُسی طرح باپ کے علم اور سچّائی کو منکشف کرے۔ چنانچہ بشریت فی الحقیقت عالم کا ایک جزو ہے +

قوّت متخیلہ جسکا عمل دخل تمام جسم انسان پر ہے فقط بذریعہ ایک خاص حصّے یعنی زبان کے ظہور پاتی ہے۔ اسی طرح کلمۃ اللہ جو کل اشیاء میں موجود ہے اگر ایک جسم کے ذریعہ سے ظاہر ہؤا۔ تو اس کو کون خلاف عقل قرار دیسکتا ہے +

# (۳۵) کلمۃ اللہ نے جسم انسانی ہی کس لئے اختیار کیا

اگر کوئی پوچھے کہ اُس نے کس لئے اپنے آپ کو مخلوقات کے کسی بڑے اور اشرف حصہ میں ظاہر نکیا۔ یعنے آفتاب یا ماہتاب یا ستارہ یا آگ یا ہوا میں تو ہمارا جواب یہ ہے کہ وہ نمود کے لئے نہ آیا تھا۔ بلکہ اسلئے کہ مظلوموں اور مصیبت زدوں کو صحت اور شفا اور ہدایت بخشے۔ جو کوئی نمود ہی چاہتا ہے وہ لوگوں کو اپنے نمود سے حیرت زدہ کر کے چلدیتا ہے۔ لیکن جو صحت اور ہدایت بخشنے آتا ہے وہ نہ صرف تھوڑا سا عرصہ ٹھیرتا ہے بلکہ محتاجوں کی مدد کرتا ہے اور ایسے طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ اُسکی برداشت کر سکیں۔ اور وہ اپنی فیاضی سے محتاجوں کو گھبراہٹ میں ڈالکر خدا کے انکشاف کو بے سود نہیں کرتا۔ خدا کی کل مخلوقات میں فقط انسان ہی نے اپنے خالق کی پہچان میں غلطی کی تھی۔ اس غلطی اور گمراہی میں آفتاب ماہتاب ستارے اور سمندر اور ہوا شامل نہ تھے۔ وہ کلمۃ اللہ اپنے خالق و بادشاہ کو جانکر اپنی مناسب حالت پر قائم رہے۔ فقط بنی آدم نے نیکی سے ہٹ کر اپنے لئے سچائی کے عوض فرضی معبود بنا لئے تھے۔ جو عزت خدا کا حق تھی اُسے اُنھوں نے جنوں اور پتھر پہ کھدی ہوئی آدمیوں کی مورتوں کو دیدیا تھا۔ خدا ایسی گمراہی اور ٹیڑھے پن سے قطع نظر نہ کر سکتا تھا۔ ایسا کرنا اُسکی نیکی کے خلاف تھا۔ لیکن چونکہ بنی آدم اُسکو محسوس نہ کر سکتے تھے اور اُس کی حکومت کی پہچان سے محروم تھے اُس نے اپنی مخلوقات کے ایک حصہ کو اپنا مظہر بنایا۔ اُس نے انسانی جسم لیا اور نیچے اُترا۔ کل میں تو وہ اُس کو پہچان نہ سکتے تھے اس لئے اُس نے اپنے آپ کو جزو میں ظاہر کیا۔ ایک مرئی

صورت میں وہ اُنپر ظاہر ہوا۔ اُسنے اُن کا جسم لیا تاکہ اُسکی خدائی کاموں سے جو اُسنے جسم میں رہکر کئے تھے وہ پہچانیں کہ یہ بشر کے کام نہیں۔ بلکہ خدا کے ہیں +

لیکن اگر یونانیوں کی رائے کے مطابق کلمۃ اللہ کا اپنے تیئں جسم کے کاموں کے ذریعہ سے ظاہر کرنا محال تھا تو عالم کے کاموں میں اُس کا ظہور بھی محال ہونا چاہئے وہ عالم میں ہونے کے باعث مخلوق نہیں ہو جاتا۔ برعکس اِسکے عالم اُسکی قوت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اسی طرح جب اُسنے جسم کو ایک آواز کے طور پر استعمال کیا تو جسم کی خواص اُسکی ذات میں دخل نہ کر گئی۔ بلکہ اُس نے جسم کو پاکیزگی اور سرافرازی بخشی +

افلاطون جسکی یونانیوں میں بڑی تعظیم ہے یوں کہتا ہے۔ عالم کے خالق نے دیکھا کہ دنیا طوفان کی موجوں میں سرگردان اور ابتری کے سمندر میں غرق ہونیکے خطرے میں ہے یہ دیکھکر اُس نے دنیا کی پتوار کو (یعنی زندگی کے اصول کو) پکڑا اور اپنی مدد سے اُس کی تمام غلطیوں کو صحیح کیا +

جبکہ افلاطون یہ کہتا ہے تو ہمارا دعویٰ کس طرح غلط ہے۔ وہ دعوے یہ ہے کہ جب نسل انسانی گمراہ ہو گئی تو کلمۃ اللہ نازل ہؤا۔ اُسنے آدمی کی صورت میں ظاہر ہو کر دینی ہدایت اور مدد سے اِس طوفان زدہ جہاز کو بچایا +

## (۳۶) خدا نے محض حکم سے اِنسان کو بحال کیوں نہ کیا

معترض کا مونہہ بند کرنا مشکل ہے۔ شائد کوئی کہیگا کہ اگر خدا کی مرضی تھی کہ بنی آدم کو نجات وراستی بخشے تو کیوں اُسنے فقط ایک حکم نہ دیدیا وہ تو سب کام فقط اپنی قدرت و حکم سے کر سکتا ہے۔ کیا ضرورت تھی کہ اُسکا کلمہ ایک جسم کے ساتھ تعلق پیدا

نہیں رکھتی لیکن اس حالت میں وہ بگاڑ جو جسم میں دخل پا چکا تھا اُسکے اندر ہی رہجاتا لیکن نجات دہندہ کا جسم کو پہن لینا عین مناسب تھا۔ تاکہ زندگی کے جسم میں حلول کرنیکی وجہ سے جسم باوجود فانی ہونیکے موت کے قبضہ میں نرہے۔ بلکہ بقا سے ملبّس ہوکر قیامت اور بقا کا وارث بنے۔ کیونکہ کلمۃ اللہ کا اختیار کیا ہوا جسم جب فانی تھا تو بغیر حلول زندگی کے مردوں میں سے اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ علاوہ اسکے موت فقط جسم ہی میں ظاہر ہوسکتی ہے۔ اسلئے اُسنے جسم پہنا۔ تاکہ جسم میں سے موت کو مٹا دے۔ فانی کو زندہ کرنیسے خداوند نے اپنے آپ کو حیات کا مالک ثابت کیا ؛

بھوسی ایک جلنے والی شے ہے جسکو آگ سے محفوظ رکھکر جلنے سے بچانا پڑتا ہے تاہم اُسکی خاصیت وہی رہتی ہے۔ اور جب آگ اُسکے نزدیک آویگی وہ جل جاویگی لیکن فرض کرو کہ ہم بھوسے کو کسی ایسی چیز کے اندر رکھدیں جسپر آگ اثر نہیں کر سکتی۔ تب بھوسی بھی جلنے سے بچی رہے گی۔ جسم اور موت کے تعلّق کی یہ ایک مثال ہے۔ اگر خداوند موت کو فقط اپنے ایک حکم سے دُور رکھتا تو باوجود اسکے بھی اُسکا جسم فانی اور باقی کل اجسام کی خاصیت کے مطابق سڑنے کے قابل رہتا۔ لیکن اس فانی خاصیت کو دور کرنے کے لئے اُسنے غیر مجسّم کلمۃ اللہ کو پہن لیا۔ پس اب جسم موت یا سڑنے سے خوف نہیں کھاتا اور چونکہ اُسکو زندگی کا لباس پہنایا گیا ہے بگاڑ اُسمیں سے دُور ہوگیا ہے ؛

## (۳۷) کلمۃ اللہ نے خدا کی شناخت کو کمال کے درجے تک پہنچا دیا

پس کلمۃ اللہ کا جسم کو اختیار کرنا بہت ہی مناسب تھا۔ اُسنے اُس جسم کو ایک اوزار کے طور پر استعمال کیا اور اُسکے ذریعے سے اور اجسام کو بھی زندگی بخشی۔ اور جسطرح

کرے۔ خدا تو محض اپنے حکم سے موجودات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اِس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ ابتدا میں جب کچھ نہ تھا تو صرف اِس بات کی ضرورت تھی کہ خالق اپنے حکم سے دنیا کو وجود بخشے لیکن جب انسان پیدا ہوکر بگڑ گیا تو موجودہ اشیاء کے علاج کی حاجت تھی۔ نہ اسکی کہ کوئی نئی شے عدم سے وجود میں لائی جاوے۔ اِس لئے اُس بگاڑ کی اصلاح کے واسطے کلمتہ اللہ انسان بنا۔ اسی وجہ سے اُس نے جسم بشری کو ایک اوزار کے طور پر استعمال کیا۔ لیکن اگر اُس کو ایسا کرنا روا نہ تھا تو اور کونسا اوزار تھا جسکو وہ اپنے مقصد کے لئے برت سکتا تھا۔ موجودہ اوزاروں کو چھوڑ کر وہ کونسے اوزار کو لیتا۔ بنی آدم اِسی بات کے محتاج تھے کہ اُسکی الوہیت انسانی جسم میں اپنا جلوہ دکھلے اگر معدوم چیزوں کو معدومی کی حالت سے نکالنا تھا تو فقط ایک حکم کفایت کرتا لیکن انسان معدوم نہ تھا بلکہ موجود تھا اور اپنے گناہوں سے اپنے آپ کو تباہ کر رہا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ کلمتہ اللہ نے عین مناسب کام کیا جب ایک انسانی جسم کو اپنا اوزار بنا کر یا اپنے آپ کو منکشف کیا +

پھر غور کرو کہ جو بگاڑ علاج کا محتاج تھا وہ جسم کے باہر نہ تھا بلکہ اُسکے اندر جمع ہو رہا تھا۔ پس اِس بات کی ضرورت تھی کہ عین اِس جگہ میں جہاں وہ بگاڑ تھا زندگی آکر اپنا گھر کرلے۔ تاکہ جس طرح موت بذریعہ جسم کے آئی تھی اُسی طرح اب حیات اُسی کے اندر رہے۔ اگر موت جسم کے باہر ہوتی تو زندگی بھی باہر سے اُسکے لئے مہیّا ہوسکتی تھی + لیکن جبکہ موت جسم میں حلول کرکے اُس کو مغلوب کر رہی تھی تو ضرور ہُوا کہ زندگی بھی اُس جسم میں حلول کرے اور اُسکو اِس لائق کردے کہ زندہ ہوکر بگاڑ کو اپنے اندر سے خارج کرسکے +

علاوہ اسکے اگر کلمتہ اللہ صرف جسم کے باہر آتا نہ اُسکے اندر داخل ہوکر تو البتہ اپنی قدرت سے وہ موت کو مغلوب کرسکتا تھا۔ کیونکہ حقیقی موت زندگی کے مقابلہ میں کچھ حقیقت

کہ وہ کائنات میں اپنے کاموں کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے اُسی طرح انسانی حالت میں بھی وہ بوسیلہ اپنے کاموں کے پہچانا گیا۔ اُسنے اپنے آپکو ہر جگہ دکھلایا۔ کوئی حصہ اُسکی خدائی طاقت اور پہچان سے خالی نہ رہا +

جہان کا ہر ایک حصہ اُسکی حضوری سے بھرپور ہے۔ اُسنے جسم کو لیا تاکہ ہر شے کو اپنی پہچان سے بھر دے۔ پاک کلام کی بھی یہی تعلیم ہے کہ "کل زمین خداوند کی پہچان سے بھر گئی" (یسعیاہ ۱۱: ۹) اگر کوئی آسمان کیطرف سے دیکھے تو وہاں عجیب ترتیب کو دیکھیگا۔ یا اگر وہ اپنے سر کو اوپر کیطرف اُٹھا نہیں سکتا تو صرف آدمیوں ہی کو دیکھے۔ تب اُسے معلوم ہوگا کہ مسیح کی وہ طاقت جو اُسکے کاموں میں دکھائی دیتی ہے ایسی بڑی ہے کہ انسان کی طاقت اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اُسے یہ بھی یقین ہو جائیگا کہ فقط مسیح بنی آدم میں کلمۃ اللہ ہے۔ یا اگر کوئی جنّوں کیطرف توجہ کرے اور اُن کو دیکھکر متحیّر ہو تو اُسے یہ معلوم ہوگا کہ مسیح اُنکو نکالتا ہے اور صریحًا اُن کا مالک ہے یا اگر وہ پانی کو دیکھے اور مصریوں کی مانند اُسکی پرستش کرنے لگے تو دیکھیگا کہ مسیح پانی کو تبدیل کر سکتا ہے اور اُسکا خالق ہے +

کیونکہ خداوند نے ہر شے کو چھُوا ہے اور سب کو ہر طرح کے فریب سے رہا کیا ہے۔ پولوس کا قول ہے کہ اُسنے حکومتوں اور اختیاروں کو اپنے اوپر سے اُتار کر اُنکا برملا تماشا بنایا۔ اور صلیب کے سبب سے اُنپر فتحیابی کا شادیانہ بجایا (کُلُسِّیوں ۲: ۱۵) تاکہ اب سے کوئی فریب میں نہ رہے بلکہ ہر جگہ سچے کلمۃ اللہ کو پا سکے +

پس آدمی کلمۃ اللہ کی خدائی کو دیکھکر اور اُس سے محاط ہو کر آسمان میں عالم ارواح میں۔ آدمی میں زمین پر۔ خدا کی نسبت اب دھوکا نہیں کھا سکتا۔ بلکہ فقط کلمۃ اللہ کی پرستش کرتا اور بوسیلہ اُسکے باپ کو سچے طور پر پہچانتا ہے +

———+———

# (۳۸) بُت پرستی کا زوال

بُت پرستی کو لوگوں نے کس وقت سے ترک کرنا شروع کیا ؟ جب سے کہ خدا جو سچا کلمۃ اللہ ہے دنیا میں آیا اور کب غیب بینی یونانیوں میں سے جاتی رہی اور ہر جگہ ختم ہوئی اور بیہودہ مانی گئی ؟ جبکہ منجی نے اپنے آپکو زمین پر ظاہر کیا۔ کب لوگوں کو معلوم ہؤا کہ وہ اشخاص جنکو قدیم زمانہ میں شعرا دیوتا اور ہیرو کہتے تھے محض انسان تھے ؟ اُس وقت جبکہ خداوند نے موت پر فتح پائی اور اُس جسم کو جسے اُسنے پہنا تھا۔ سڑنے سے بچایا اور مُردوں میں سے اُٹھایا کب بنی آدم شیاطین کے فریب سے چھوٹے ؟ اسیوقت جب کلمہ جو خدا کی طاقت اور شیاطین کا بھی مالک ہے بنی آدم کی کمزوری پر رحم کھاکر دنیا میں ظاہر ہؤا۔ کب جادو کے فن اور جادوگروں کے مدرسونکے بھید فاش ہوئے ؟ جبکہ کلمۃ اللہ نے بنی آدم کو اپنا خدائی دیدار بخشا۔ یونانیوں کی عقل و حکمت کب نادانی سے مبدّل ہوگئی ؟ جبکہ خدا کی سچّی حکمت نے اپنے آپکو زمین پر ظاہر کیا۔ قدیم سے یہ حال ظاہر تھا کہ دنیا بتوں کی پرستش میں گمراہ ہے اور سوائے بتونکے اور کوئی خدا نہیں مانا جاتا تھا۔ لیکن اب کل دنیا میں خلق خدا بتوں کے وہم کو ترک کرکے مسیح کیطرف دوڑ رہی ہے اور اُس کو خدا مانکر پوجتی ہے اور بوسیلہ اُسکے باپ کی شناخت حاصل کرتی ہے جسے آگے جانتی نہ تھی +

اور حیرت کا مقام یہ ہے کہ گو پہلے مختلف اقسام کے صدہا معبود تھے اور ہر شہر اور گاؤں کا معبود نرالا تھا اور ایک موضع کا خدا دوسرے موضع پر کچھ اختیار نہ رکھتا تھا اور نہ دوسرے موضع کے لوگوں سے اپنی پرستش کرا سکتا تھا بلکہ بمشکل اپنے ہی گاؤں میں مانا جاتا تھا مگر اب سب کے سب مسیح کی پرستش کرتے ہیں اور وہ کام جو بتوں سے نہو سکا کہ غیر علاقے والوں کو اپنے تحت میں کرے اس سے بہت کچھ زیادہ مسیح سے ہؤا کہ اُسنے ایک عالم کو اپنی اور اپنے باپ کی پرستش کا قائل اور معتقد کر دیا +

کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک پھیل گئی ہو جسکو کل عالم نے بالاتفاق پوجنا قبول کر لیا ہو؟ اگر مسیح فقط ایک آدمی ہے اور خدا اور کلمہ نہیں تو بت کس لئے اسکی پرستش کو اپنے علاقوں میں آنے سے نہیں روکتے۔ پس یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ کلمۃ اللہ نے دنیا میں آکر اپنی تعلیم سے دوسرے معبودوں کی پرستش بند کر دی ہے اور اُن کے عابدوں کے جھوٹے دعوے توڑ کر اُنھیں شرمندہ کر دیا ہے *

## (۴۸) مسیح کی فضیلت بمقابلہ حکّام اور حکمائے

اس شخص سے پہلے دنیا نے بیشمار بادشاہ اور جابر دیکھے ہیں کسدیوں مصریوں اور ہندیوں کی تواریخ میں کئی بڑے بڑے دانا اور جادوگروں کا ذکر ہے۔ لیکن اُنمیں کون ایسا ہوا جسنے اپنی زندگی میں (موت کے بعد کا یہاں ذکر نہیں) ایسے غلبے کے ساتھ دنیا کو اپنی تعلیم سے بھر دیا ہو؟ کسی میں یہ طاقت تھی کہ اتنے آدمیوں کو بت پرستی کے وہم سے چھڑا کر اپنا معتقد بنالے جتنے ہمارے منجی نے بنائے؟ یونانی فیلسوفوں نے بڑی بڑی دلکش اور مدلل کتابیں لکھیں۔ لیکن مسیح کی صلیب کے مقابلہ میں اُنکی عقل کی کیا وقعت ہے۔ اُنکی دلیلیں اُنکی زندگی میں زور رکھتی تھیں۔ بلکہ جبکہ وہ زندہ تھے اُن کاموں پر جنکی نسبت اُنکا خیال تھا کہ ہم نے اُنکو کمال تک پہنچایا ہے بحث رہی۔ ایک عالم دوسرے کے ساتھ بحث کرتا بلکہ اُسکو بُرا کہتا تھا۔ لیکن تعجب کا مقام ہے کہ کلمۃ اللہ نے گو اُسکے الفاظ بہت سیدھے تھے عالموں کے باریک خیالات کو حقیر کر دیا اور اُنکی تعلیم کو ہیچ ٹھیرا کر سب آدمیوں کو اسی طرح اپنی طرف کھینچا ہے کہ اُسکے گرجا اور عبادتگاہیں بالکل بھر گئی ہیں پھر اور تعجّب کا مقام یہ ہے کہ اُسنے حالت بشری میں موت کی وادی میں

## (۳۹) مسیح کے کام اُسکی الوہیّت پر شاہد ہین

ہمارے دعوے فقط ہماری باتوں پر منحصر ہیں بلکہ تجربہ اُنکی صداقت پر گواہی دیتا ہے۔ جو چاہے آوے اور نیکی کا ثبوت اُن باعصمت باکرہ عورتوں کی زندگی میں دیکھے جنکا خاص کام اپنے تیئں ضبط کرنا ہے اگر کوئی بقا کا یقین دیکھا چاہے تو بے شمار شہیدونکو دیکھے جنھوں نے اگلی زندگی کی امید میں اس زندگی کو قربان کردیا ہے ÷

پس یہ شخص مسیح کتنا بڑا ہے جسکا نام ہی ایسی تاثیر رکھتا ہے اور جسکے سامنے تمام مخالف طاقتیں کمزور بلکہ زائل ہو جاتی ہیں۔ جو سب پر زبردست ہے اور جسنے اپنی تعلیم سے کل دنیا کو بھر دیا ہے۔ ٹھٹھا کرنے والے بے شرم یونانیوں کو اسکا جواب دینا چاہئے۔ اگر وہ فقط انسان ہے تو کس طرح اُنکے اقتدار پر غالب آتا ہے جنھیں وہ اِلہٰ مانتے ہیں۔ بلکہ اُسی نے اُنھیں ہستی سے معدوم ثابت کر دکھایا ÷

## (۴۰) مسیح کے کام بے مثل ہین

بنی آدم میں کون ایسا ہوا ہے جس نے اپنے واسطے بذریعہ ایک کنواری عورت کے جسم طیار کیا؟ کون ایسا ہوا ہے جس نے اپنی بیماریوں کو دُور کیا؟ جیسا سب کے خداوند نے کیا ہے۔ کس میں یہ طاقت تھی کہ کسی کو وہ شے بخشے جو اُسے پیدائش سے حاصل نہ تھی اور مادرزاد اندھے کو بصارت بخشی ÷

کس کی موت کے وقت آفتاب تاریک ہوگیا؟ موت ہمیشہ سے بنی آدم پر غالب ہے اور آجکل بھی لوگ مرتے ہیں لیکن کس کی موت کے وقت ایسا اچنبا دیکھا گیا؟ اُن کاموں کو چھوڑ دو جو جسم میں ہوگر گئے اور اُنپر غور کرو جو اُسکی قیامت کے بعد دیکھے گئے۔ کیا کبھی کوئی ایسا ہوا ہے جسکی تعلیم یکساں ایسی عالمگیر ثابت ہوئی ہو اور دُنیا

اُتر کر اُن بلند دعووں کو جو دنیا کے عقلمند بُتوں کی نسبت کیا کرتے تھے باطل کر دیا
ہے کس کی موت سے کبھی دیو بھاگے یا کس کی موت سے کبھی شیاطین ایسے ڈرے جیسے
کہ مسیح کی موت سے ڈرے تھے؟ جہاں کہیں منجی کا نام لیا جاتا ہے وہاں سے تمام
شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔ کسی میں یہ طاقت ہوئی کہ آدمیوں کی نفسانی خواہشوں کو اس
طرح مغلوب کرتا کہ زانی معصوم ہو گئے۔ خونی تلوار کو چھوڑ بیٹھے۔ اور بزدل دلیر ہو گئے
مسیح کے ایمان اور صلیب کے نشان کے سوا اور کسی میں یہ طاقت تھی کہ وحشی لوگوں
اور مختلف قوموں سے دیوانگی ترک کرا کر صلح کا خواہاں اور اتفاق پر مائل کر دے؟
مسیح کی صلیب اور اُسکے بدن کی قیامت سے زیادہ کونسی بات نے بنی آدم کو بقا کا
یقین دلایا ہے۔ یونانی ہر شے کی نسبت جھوٹ بولنے کے عادی تھے لیکن یہ خیال
اُن کو کبھی نہ آیا کہ اپنے بتوں میں سے کسی کی نسبت دعوے کریں کہ وہ مُردوں میں سے
زندہ ہُوا ہے۔ وہ جانتے بھی نہ تھے کہ موت کے بعد جسم کا رہنا ممکن ہے ✦

## (۴۲) مسیح کی اخلاقی قوت

کس نے مسیح کے برابر اپنی موت کے بعد یا زندگی میں عصمت اور تجرد کی ایسی پُرتاثیر
تعلیم دی ہے۔ یا کس نے بتایا ہے کہ بنی آدم میں اس صفت کا ہونا درحقیقت ممکن ہے
لیکن ہمارے منجی اور سب کے منجی اور بادشاہ مسیح کی تعلیم میں ایسی تاثیر ہے کہ لڑکے اور
لڑکیاں جو ابھی از روئے قانون سن بلوغ کو نہیں پہنچیں اور شرعاً اُنپر واجب نہیں پھر
بھی مجرد رہکر اپنی زندگی خدا کو دینے کا عہد کرتی ہیں۔ انسانوں میں کس کا اختیار تھا کہ اپنا
کلام دُور دُور کے ملکوں تک پہنچا کر جادوگروں۔ حد سے زیادہ وہمیوں۔ اور وحشیوں
کو نیکی اور ضبط کی تعلیم دیتا اور اُنکو سکھاتا کہ بت پرستی چھوڑ دیں؟ یہ سب اُسی کے کام ہیں
جسے ہم جہان کا خداوند۔ خدا کی قدرت اور خداوند یسوع مسیح کہتے ہیں۔ اُسنے نہ فقط

اپنے حواریوں کے وسیلہ سے بشارت دی بلکہ آدمیونکے ذہنوںپر ایسا اثر نہ ڈالا کہ اُن کے اطوار کی وحشت دور ہوگئی اور اُنھوں نے اپنے موروثی بتوں کی پرستش کو ترک کر کے اُسکا صاف علم حاصل کیا اور اُسکے وسیلہ سے اُسکے باپ کی پرستش کرنے لگے قدیم زمانے میں یونانی اور وحشی بتوں کو پوجتے۔ آپس میں جنگ کرتے اور اپنے رشتہ داروںپر بھی بیر حمیاں کرتے تھے اور اُنکی اس متواتر جنگ وجدال کے سبب سے بغیر مسلح ہوئے کوئی خشکی یا تیری کا سفر نکر سکتا تھا۔ کل زندگی لڑائیوں میں صرف ہوتی تھی۔ لکڑی کے بدلے لوگ تلوار ہاتھ میں رکھتے تھے اور ہر ضرورت کے موقع پر اُسی پر اپنا بھروسہ کرتے تھے۔ گو وہ بتونکو پوجتے اور دیوتاؤں کی ساتھ قربانیاں چڑھاتے تھے تاہم اس بت پرستی کا وہم اُسکے ماننے والوں کو اس سے بہتر تعلیم پانیسے روک رہا تھا لیکن جب سے وہ مسیح کی تعلیم میں آگئے ہیں اُن کے دل ہی بدل گئے ہیں۔ بیرحمی اور خونریزی کو ترک کردیا اور جنگ سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے۔ مسیح نے اُنکو اتفاق اتحاد کا گرویدہ بنا دیا ہے ؎

## (۴۳) مسیح کی آسمانی تعلیم اطمینان بخشتی ہے

پس وہ کون شخص ہے جسنے اتنا بڑا کام کیا ہے۔ وہ کون ہے جس نے پُرانے دشمنونکو صلح کے بند میں باندھا ہے۔ وہ باپ کا عزیز بیٹا یسوع مسیح ہے جو سب کا منجی ہے اور جس نے محبت کے باعث سب کی نجات کی خاطر ہر قسم کا دکھ سہا۔ اس صلح کی نسبت جو اُسکی معرفت دنیا میں آنیوالی تھی پہلے سے پیشین گوئی ہو چکی تھی کہ "وہ اپنی تلواروں کو توڑ کر پھالیں اور اپنے بھالیوںکو ہنسوی بنا ڈالینگے۔ اور قوم قوم پر تلوار نہ چلائینگے اور وہ پھر کبھی جنگ نہ سیکھیں گے۔" (یسعیاہ ۲: ۴ + میکاہ ۴: ۳) اس پیشین گوئی کا یقین کر لینا کچھ دشوار نہیں۔ کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ وحشی اقوام جنکے اطوار طبعاً وحشیانہ ہیں

جب تک اپنے بتوں کے آگے قربانیاں گذرانتے رہتے ہیں غیض وغضب میں بھر کر آپس کے کشت وخون میں مصروف رہتے ہیں۔ اور تلوار کو ایک پل بھر بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے لیکن جب مسیح کی تعلیم اُن کے کانوں میں پہنچتی ہے تو بجائے جنگ کے کاشتکاری کو اختیار کرتے ہیں اور بجائے تلوار پکڑنے کے دعا میں اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں۔ بجائے آپس کی جنگ کے وہ شیاطین کے مقابلہ کے لئے مصلح ہوتے ہیں اور تحمّل اور اعتدال اور روحانی نیکی سے انپر ظفریاب ہوتے ہیں ؛

منجی کی الوہیت کا ایک یہ ثبوت ہے کہ جس شے کو بنی آدم بُتوں سے سیکھ نہ سکتے تھے اُسے اُنھوں نے منجی سے سیکھا ہے۔ اس سے شیاطین اور بتوں کی کمزوری اور بطالت پوری طرح ثابت ہوتی ہے۔ شیاطین اپنی کمزوری سے آگاہ ہو کر آدمیوں میں جنگ کراتے تھے۔ تاکہ ایسا نہو کہ بنی آدم ہماری کمزوری کو پہچانکر ہم سے جنگ کرنا شروع کریں۔ لیکن جو لوگ مسیح کے پیرو ہو جاتے ہیں وہ آپس میں نہیں لڑتے۔ بلکہ شیاطین کے مقابلہ میں صف بستہ ہو جاتے ہیں اور اپنی نیک چلنی اور اچھے کاموں کے ہتھیاروں کو پکڑ کر اُن سے لڑتے ہیں۔ وہ شیاطین پر جبر کرتے اور اُنکے سردار یعنے شیطان پر ٹھٹھا کرتے ہیں۔ جوانی میں اُنکو ضبط کی طاقت۔ آزمائش میں استقلال اور بےعزتی میں صبر حاصل ہوتا ہے۔ لُٹجانے کی اُن کو کچھ پروا نہیں ہے۔ اور سب سے بڑا تعجب یہ ہے کہ وہ موت کو بھی حقیر سمجھکر مسیح کے لئے شہید ہو جاتے ہیں ؛

## (۴۴) مسیح کی الوہیت اُسکے عظیم الشّان کاموں سے ظاہر ہوئی

کون ایسا انسان یا جادوگر یا جبّار یا شہنشاہ ہوا ہے۔ جسمیں اتنی طاقت ہوئی ہو

کہ اکیلا اتنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔ اور تمام بت پرستی۔ شیاطین کے لشکر جادو اور یونانیوں کی تمام حکمت کے خلاف جنگ کرے۔ کون ایسا مضبوط اور آدمیونکو حیرت میں ڈالنے والا ہؤا ہے اور کون ایسا بہادر ثابت ہؤا ہے کہ پہلے ہی حملہ میں کامیاب ہو جاوے ہاں یہ تمام خوبیاں ہیں تو ہمارے خداوند ہی میں ہیں۔ جو سچا کلمۃ اللہ ہے۔ اُس نے پوشیدگی میں سبکو فریب کو توڑا اور بنی آدم کو اُنکی طرف سے ہٹا رہا ہے۔ یہاں تک کہ جو پہلے بتونکو پوجتے تھے وہی اب اُنکو پامال کرتے ہیں اور وہ جو پیشتر اپنے جادو سے لوگوں کو حیرت میں ڈالتے تھے اب آپ اپنی جادو کی کتابوں کو جلا رہے ہیں +

اور جو عقلمند ہیں وہ اب اناجیل کے معانی کو کھولنا سب کاموں سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ جن کو وہ پہلے پوجتے تھے اب اُنکو چھوڑتے جاتے ہیں اور مسیح جس پر وہ پہلے اِس لئے ہنستے تھے کہ وہ ایک مصلوب شخص ہے اُسے اب خدا مانکر پوجتے ہیں۔ اور وہ جو اُنکے درمیان خدا مانے جاتے ہیں صلیب کے نشان سے بھاگتے ہیں۔ تمام دنیا میں وہی مصلوب منجی خدا اور ابن اللہ مشہور ہو رہا ہے۔ یونانیونکے خدا حقیر ٹھیرکر متروک ہو رہے ہیں۔ اور مسیح کی تعلیم کے قبول کرنے والے ایسی پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں کہ ویسی دیوتاؤنکو بھی نصیب نہیں ہوئی +

اگر کوئی کہے کہ ایسے کام انسان کے بس کے ہیں تو ہم اُس سے درخواست کرتے ہیں کہ کوئی ایسا آدمی پیش کرے جسنے کسی زمانے میں ایسے کام کئے ہوں۔ تو ہم قائل ہو جائینگے۔ لیکن اگر یہ سب بظاہر اور درحقیقت انسان کے نہیں بلکہ خدا کے کام ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ مخالف کس لئے ایسی بیدینی سے ہمارے مالک کو جو اُن کا پیدا کرنیوالا ہے ماننے سے انکار کرتے ہیں +

مسیح کو ماننے سے انکار کرنیوالے اُس شخص کی مانند ہیں جو مخلوقات کو تو دیکھتا ہے لیکن خالق کو نہیں پہچانتا۔ کیونکہ اگر اِس قدرت سے جو عالم میں دیکھی جاتی ہے خدا پہچانا جاتا ہے

تو بذریعہ اُن کاموں کے جو مسیح نے جسم میں ہو کر کئے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ کام انسانی نہ تھے بلکہ سب کے منجی کے تھے جو کلمۃ اللہ ہے اگر انکو یہ علم ہوتا تو مقدس پولوس کے قول کے بموجب وہ جلال کے خداوند کو صلیب نہ دیتے

## (۴۵) مسیح کے کاموں کی حقیقت اور عظمت

خدا غیر مرئی ہے اسکو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن اُسکی پہچان اُسکے کاموں سے انسانوں کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اسیطرح جس کسی کی عقل مسیح کو نہیں دیکھ سکتی اُن کاموں کو دیکھے جو مسیح نے کئے اور اُنکے کرنیوالے کو پہچانے۔ اور انصاف کرے کہ آیا یہ کام بشر کے ہیں یا خدا کے۔ اگر وہ کام بشر کے معلوم ہوں تو دیکھنے والے کو اختیار ہے کہ اُنپر ہنسی اور تمسخر کرے۔ لیکن اگر وہ بشر کے نہیں بلکہ خدا کے ثابت ہوں تو کیوں نہ مسیح کی الوہیت کو مانکر اس ٹھٹھے بازی سے باز آئے۔ ایسے کاموں پر ہنسنا جو ہنسنے کے قابل نہیں عقلمندوں کا شیوہ نہیں برعکس اسکے اُسے تعجب کرنا چاہئیے کہ کیسے سادہ وسائل سے خدائی امور ہمپر منکشف کئے گئے ہیں اور بوسیلہ موتکے بقا سب کو حاصل ہوئی۔ کلمۃ اللہ کے تجسم کی طفیل سے اُسکا عالمگیر انتظام سبکو معلوم ہو گیا۔ اُسی تجسم کی طفیل سے دُنیا نے کلمۃ اللہ کو جو کل عالم کا منتظم اور صانع ہے پہچان لیا +

وہ انسان بنا تاکہ ہم خدا نبیں۔ اُس نے اپنے آپکو بذریعہ جسم کے ظاہر کیا تاکہ ہم غیر مرئی باپ کو پہچان سکیں۔ اُس نے آدمیوں کے ہاتھوں سے بیعزتی اُٹھائی تاکہ ہم بقا کے وارث بنجاویں۔ اور وہ چونکہ جو بذاتِ خود انفعال اور انتشار سے مبرا اور عین کلمۃ اللہ ہے اُسکو ان باتوں سے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچا بلکہ جو آدمی دُکھ درد میں مبتلا تھے اُنکی وہ خبر لیتا اور حفاظت کرتا تھا بلکہ اُن دشمنوں تک کی جنکے ہاتھ سے خود اُس نے رنج و آزار اُٹھایا تھا۔ وہ فتوحات جو نجات دہندہ نے بذریعہ اپنے تجسم کے حاصل کیں اِس قسم کی اور اتنی بڑی

ہیں کہ اگر ہم اُن سب کا شمار کرنا چاہیں تو اُس شخص کی مانند ہونگے جو سمندر کی وسعت کو دیکھکر اُسکی موجوں کے شمار کرنے کا قصد کرے کیا کسی کی آنکھ میں یہ طاقت ہے کہ سمندر کی تمام لہروں کو معلوم کر سکے؟ انکی کثرت تعداد اور اُن کا تواتر حرکات اُنکا شمار میں آنا ناممکن کر دیتا ہے۔ اسی طرح اُن کل فتوحات کو معلوم کرنا جو مسیح نے جسم میں ہوکر حاصل کیں آدمی کے علم سے بعید ہے۔ کون اِن کو شمار کے احاطے میں لا سکتا ہے؟ اُس کی تو وہ فتوحات ہی جو آدمی کی عقل سے برتر و بالا ہیں بہ نسبت اُنکی جن کو انسان سمجھ سکتا ہے شمار میں کہیں زیادہ ہیں۔ پس یہی بہتر ہے کہ ہم اِن سب کے ذکر کا قصد نکریں۔ کیونکہ ہمارے الفاظ ایسے قاصر اور کمزور ہیں کہ اُنکے ایک عشر عشیر کا پورا بیان بھی نہیں کر سکتے۔ ہم نے فقط ایک حصّہ کا بیان لکھا ہے اور بس جس سے تم کل کی حیرت افزا عظمت کا تصوّر خود کر سکتے ہو۔ اُس کے سب کام حیرت افزا ہونے میں مساوی ہیں اور جدھر آنکھ پھرتی ہے اُدھر کلمۃ اللہ کی خدائی کے کام دیکھکر حد سے زیادہ متحیّر ہوتی ہے +

## (۴۷) گذشتہ دلائل کا خلاصہ

جو کچھ کہا گیا اِس کے بعد مناسب ہے کہ تم اِس بات کو سمجھو اور گذشتہ دلائل کے خلاصے پر غور کر کے خیال کرو کہ کیسے عظیم القدر اور تعجّب خیز یہ امور ہیں کہ نجات دہندہ کے ہم میں ہنے کے وقت سے بت پرستی کی ترقّی صرف بند ہی نہیں ہوگئی بلکہ جتنی موجود ہے وہ بھی رفتہ رفتہ گھٹتی جاتی ہے۔ یونانی حکمت بھی مرجھا گئی بلکہ معدوم ہوتی جاتی ہے۔ شیاطین اپنے مکر اور جھوٹے الہام اور سحر سے اب کسیکو فریب نہیں دے سکتے۔ اگر کبھی قصد کرتے بھی ہیں تو صلیب کا نشان اُن کو شرمندہ کر دیتا ہے +

پس دیکھو کس طرح مسیحی کی تعلیم ترقّی کر رہی ہے۔ اور تمام بت پرستی اور ہر شے جو مسیحی ایمان کو روکنے والی ہے۔ کس طرح روز بروز گھٹتی اور کمزور ہو کر مسمار ہوتی جاتی

ہے۔اب یہ سب کچھ دیکھکر تو اُس نجات دہندہ کی پرستش کرو جو سب سے برتر اور قادر اور کلمۃ اللہ ہے۔ اور اُن مخالفوں کو ملزم ٹھیراؤ جو اُس سے شکست کھاتے اور معدوم ہوتے جاتے ہیں +

جب آفتاب نکلتا ہے تو تاریکی زائل ہو جاتی ہے اگر کہیں ذرہ بھی تاریکی رہگئی ہو تو وہ بھی آفتاب کے نکلنے سے دور ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح اب بھی جبکہ کلمۃ اللہ نے اپنا خدائی جلوہ دکھایا تو بتوں کی تاریکی کا غلبہ دور ہو گیا اُس کی تعلیم نے کل دنیا کو اور اُس کے ہر حصہ کو منور کر دیا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی ملک میں ایک شہنشاہ حکمران ہے لیکن وہ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اپنے محل میں رہتا ہے اُس کی غیبت میں کوئی سرکش اپنے آپ کو بادشاہ بنا بیٹھتا ہے اور سلطنت کے ظاہری آثار دکھاکر بھولی رعیت کو فریب دیتا ہے۔ لوگ تو جانتے ہیں کہ ہمارا ایک بادشاہ ہے لیکن بباعث اُس کو دیکھ نہ سکنے کے اور خاصکر اس سبب سے کہ محل کے اندر جا نہیں سکتے وہ فریب میں آجاتے ہیں لیکن جب اصل بادشاہ باہر نکل کر ظاہر ہوتا ہے تو وہ سرکش دھوکے باز اُسکی حضوری کے باعث قائل و شرمندہ ہو جاتا ہے۔ جب رعایا حقیقی بادشاہ کو دیکھ لیتی ہے تو اُس دھوکے باز کو ترک کر دیتی ہے۔ اِسی طرح پیشتر شیاطین نے آدمیوں کو فریب دے رکھا تھا۔ اور دعوے کرتے تھے کہ خدا کی عزت کے ہم ہی حقدار ہیں۔ لیکن جب کلمۃ اللہ جسم میں ظاہر ہؤا اور اپنے باپ کو ہم پر ظاہر کیا اُس وقت شیاطین کا فریب غائب اور موقوف ہو گیا آدمیوں نے سچے خدا یعنے باپ کے کلمہ کو دیکھ لیا اور بتوں کو چھوڑ کر اُسی خدائے برحق کا صحیح عرفان حاصل کر لیا +

اِس سے ثابت ہؤا کہ مسیح خدا اور کلمہ اور خدا کی قدرت ہے انسانی بناوٹ تمام ہوتی جاتی ہے۔ مسیح کا کلام باقی ہے پس ظاہر ہے کہ جو اشیاء تمام ہوتی جاتی ہیں وہ عارضی ہیں۔ لیکن وہ جو باقی رہتا ہے خدا اور خدا کا حقیقی بیٹا اور اکلوتا کلمہ ہے +

# (۴۷) خاتمہ۔ پاک نوشتوں میں

## ڈھونڈو

اے مسیح کے محب یہ رسالہ ہماری طرف سے تیرے لئے ایک ہدیہ ہے اس میں ہم نے مسیحی ایمان اور مسیح کے ظہور خدائی کا مختصر بیان کر کے خاکہ کھینچا ہے۔ اگر تو اس رسالہ کے خیالات کو لے کر پاک کلام کو پڑھے اور سچائی سے اُس میں دل لگائے تو تجھکو کامل اور صاف طور پر اُن باتوں کی صداقت معلوم ہو جائے گی جن کو ہم نے یہاں بیان کیا ہے پاک کلام خدا کا کلام اور خدا کی تصنیف ہے اور اس کو اُن لوگوں نے تحریر کیا جو علم الہی کے عالم تھے۔ ہم نے اس کی تعلیم اُن لوگوں سے پائی ہے جن پر الہام نازل ہوا اور جنھوں نے نوشتوں کو پڑھ کر مسیح کی الوہیت کی خاطر اپنی جان نثار کر دی ÷ *

جو تعلیم ہم نے اِن سے پائی تھی تجھے اُس کا عاشق سمجھکر اب تیرے حوالہ کرتے ہیں۔ تجھے اُس کی دوسری جلالی اور حقیقی آمد بھی معلوم ہو جاوے گی جب کہ وہ نہ عاجزی میں بلکہ اپنے اصل جلال میں آوے گا نہ فروتنی میں بلکہ مناسب شان میں۔ نہ کہ تکلیف اُٹھانے کے لئے بلکہ سب کو اپنی صلیب کے پھل بانٹنے کے لئے یعنے قیامت اور بقا۔ پھر بنی آدم اُس پر عدالت کرنے کو نہ بیٹھیں گے بلکہ وہ سب کا منصف ہوگا۔ مطابق اِن کاموں کے جو ہر ایک نے جسم میں ہو کر کئے ہیں خواہ وہ بھلے ہوں یا بُرے تب نیکوں

---

* نوٹ۔ اس سے مصنف اپنے اُن استادوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جنھوں نے سنہ ۳۰۳ء سے سنہ ۳۱۳ء تک کے بڑے ظلم میں شرف شہادت حاصل کیا ÷

آسمان کی سلطنت عنایت ہوگی۔ لیکن بدوں کو ہمیشہ کی آگ اور باہر کی تاریکی۔ خداوند نے خود بھی فرمایا ہے " میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے تم ابن آدم کو قادر مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھوگے (متی ۲۶ : ۶۴) اس آمد کے لئے طیاری کرنے کو منجی کے الفاظ ہمارے پاس ہیں۔ پس جاگتے رہو۔ کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ کس دن تمہارا خداوند آئے گا (متی ۲۴ : ۴۲) اور مبارک پولوس نے بھی فرمایا ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح کے تخت عدالت کے سامنے جاکر ہم سب کا حال ظاہر کیا جائے۔ تاکہ ہر شخص اپنے اُن کاموں کا بدلہ پائے جو اُس نے جسم کے وسیلہ سے کئے ہوں۔ خواہ بھلے ہوں یا بُرے۔ (۲ کرنت ۵ : ۱۰) ✤

## (۴۸) خاتمہ۔ مقدسوں کی پیروی کرو

لیکن پاک کلام کی تحقیق اور سچی شناخت کے لئے نیک زندگی پاک رُوح اور مسیحی خوبیوں کی حاجت ہے تاکہ اُس کے ذریعہ سے دل کی ہدایت ہو اور آدمی کو ان باتوں تک رسائی حاصل ہو جن کو وہ لینا چاہتا ہے اور جہاں تک کلمۃ اللہ کی پاک ذات ہیں آدمی کو ادراک حاصل ہو سکتا ہے وہاں تک وہ پہنچ سکے۔ بغیر پاکدلی اور مقدسوں کی زندگی کی پیروی کے ممکن نہیں کہ کوئی شخص اُنہیں مقدسونکے الفاظ کو سمجھے ✤ جب کوئی آفتاب کی روشنی کو دیکھا چاہتا ہے تو اپنی آنکھوں کو پونچکر صاف کر لیتا ہے۔ جو کسی پاک شے کو ڈھونڈتا ہے۔ اُسے لازم ہے کہ اپنے آپ کو پہلے پاک کرے اپنی آنکھ صاف کرے تاکہ آفتاب کی روشنی اُسے پہنچے۔ اگر کوئی کسی شہر یا ملک کو دیکھا چاہے تو اُسے ضرور ہے کہ وہاں پہنچے اسی طرح جو کوئی عالمونکے خیالات

کو سمجھا چاہے تو اُسے لازم ہے کہ ایسی زندگی بسر کرے جس سے اُس کی رُوح شست
اور پاک ہو جائے اور مقدّسوں کے سے کام کرکے اُن کا قرب حاصل کرے۔ تاکہ روز
مرّہ کی زندگی میں اِن کا شریک ہو کر اِن باتوں کو سمجھے جو خدا نے اِن پر کھولی تھیں
اور یوں اُن کے ساتھ متحد ہو کر گنہ گاروں کی سزایابی اور روزِ حشر کی آگ سے بچے
اور اُن چیزوں کا وارث ہو جو مقدّسوں کے لئے آسمان کی سلطنت میں رکھی ہوئی
ہیں جن کو نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا نہ آدمی کے دل میں کبھی آئیں (۱۔ کرنتھیوں
۲: ۹) یعنی ایسی چیزیں جو اُن کے لئے طیار کی گئی ہیں جو نیک زندگی بسر کرنے
اور مسیح یسوع ہمارے خداوند میں خدا اور باپ سے محبت رکھتے ہیں۔ ابدالآباد اُسی
کے وسیلے سے اور اُسی کے ساتھ باپ کی اور رُوح القدس کی عزت اور قدرت
اور جلال ابدالآباد ہوتا ہے ؂